نوری کتابیں
اللہ کی پہچان
ازافادات
حضرت ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری
المعروف داتا گنج بخش قدس سرہ
ترتیب و تدوین
خطیب پاکستان علامہ محمد شریف نوری نقشبندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کی پہچان

ضروری گذارش

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ادارہ سُنّی دارالاشاعت لاہور نے حتی الامکان آپ کی خدمت میں جو کتب پیش کیں ان میں جدید طرز طباعت اور معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اس میں ہم کس حد تک کامیاب رہے آپ ہمیں اس سے آگاہ فرمائیں۔

ہر کتاب کی پروف ریڈنگ بارہا کئی علمائے دین سے کروائی گئی ہے مگراس کے باوجود اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ہمیں نشاندہی کر کے ممنون فرمائیے تاکہ اسے آئندہ ایڈیشن میں درست کیا جاسکے

خیر اندیش

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

علم تصوف کی بے مثل اور لازوال کتاب "کشف المحجوب" سے ماخوذ

اللہ کی پہچان

از افادات

ابوالحسن حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
المعروف داتا گنج بخش

ترتیب و تدوین

خطیب پاکستان علامہ محمد شریف نوری نقشبندی

نوری کتب خانہ ۔ لاہور

اہتمام اشاعت

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

تقسیم کار

نیو نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

نوری کتب خانہ دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

ضیاالقرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر' اردو بازار لاہور

ادارہ تعمیر طب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

حسن ترتیب

مختلف ممالک کے مشائخِ متاخرّین

مختصر طریقہ میں اُن صوفیائے کرام کے حالات و واقعات میں جو صوفیائے متاخرین میں مختلف شہروں میں موجود ہیں۔ اگر میں اب تمام متاخرین صوفیائے کرام کے حالات و واقعات کو تفصیل سے کتاب ہٰذا میں تحریر کردوں تو کتاب کی طوالت کا ڈر ہے۔ اور اگر بعض کے حالات چھوڑ دوں جو کتاب میں مقصدِ حقیقی ہیں تو مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے اب ہم اُن کے نام مبارک ہی لکھتے ہیں جو ہمارے عہد میں ہیں جو حقیقت میں اربابِ معانی اور اربابِ بالحق سے ہیں۔ اور وہ لہ سمًا صوفی نہیں ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو حصول عوام سے قرب حاصل ہو جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

صوفیائے متاخرین اہلِ شام و اہلِ عراق

۱۔ حضرت شیخ زکی ابن العلار رحمۃ اللہ علیہ۔ عظیم الشان شیوخ میں سے ہیں۔ اور اپنے عہد سادات میں سے تھے۔ میں نے آپ کو شعلۂ محبت میں سے ایک شعلۂ جوالہ کی طرح دیکھا۔ آپ کرامات و براہین میں فرد الفرید تھے۔ آپ کی کراماتِ ظاہرہ بکثرت ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی علوم میں اپنے عہد کے بادشاہ تھے۔

۲۔ حضرت شیخ ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی علیہ الرحمۃ ہیں جو اپنے عہد کے صوفیائے کرام میں رئیس ہیں۔ آپ کا بیان تصوّف میں نہایت سلیس ہوتا تھا۔ آپ کا خاص تعلّق حضرت حسین بن منصور علیہ الرحمۃ کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا ہے۔

۳۔ حضرت ابو القاسم سدسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ صاحبِ مجاہدہ اور نیک حال بزرگ تھے۔ آپ درویشوں سے محبت کرنے والے اور درویشوں سے عقیدت رکھنے والے تھے۔ آپ صاحبِ کمال آدمی تھے۔

صوفیائے اہلِ فارس :

۱۔ حضرت شیخ الشیوخ ابو الحسن بن سالبہ علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ علم تصوّف میں کمال درجہ کے فصیح اللسان اور مسئلہ توحید میں کمال درجہ کی وضاحت کرنے والے فرد الفرید تھے۔ آپ صاحبِ حال بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے کلمات طیّبات مشہور و معروف ہیں۔

۲۔ حضرت شیخ طریقت برہانِ حقیقت ابو الحسن علی بن بکران علیہ الرحمۃ ہیں۔ جو عظیم الشان صوفیائے کرام میں شمار ہوتے تھے۔

۳۔ حضرت شیخ مرشد ابو اسحٰق بن شہریار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ محتشمانِ قوم میں ہیں۔ آپ کی علمیّت کا چرچا سیاست اور علم و فضل میں عام تھا۔

۴۔ حضرت شیخ ابو مسلم ہروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے صاحبِ حال اور نیک سیرت بزرگوں میں سے تھے۔

۵۔ حضرت شیخ ابو الفتح علیہ الرحمۃ اپنی سلطنت کے بہترین خلف اور راسخ و صادق تھے۔ آپ کے والد بھی نیک سیرت تھے۔

۶۔ حضرت شیخ ابو طالب علیہ الرحمۃ مرو کے باشندے تھے۔ جو نیک سیرت تھے آپ عاشق کلمہ حق مشائخ میں سے تھے۔

قہستان اور آذربائیجان اور طبرستان کے صوفیائے کرام

۱۔ شیخ شفیق فرخ المعروف بہ اخی زنجانی علیہ الرحمۃ نہایت نیک سیرت اور طریقت میں بے مثل و بے مثال عالم و عامل ہیں۔ آپ طریقت کے بہت بڑے اُستاد ہوئے ہیں۔

۲۔ شیخ انذرین علیہ الرحمۃ اپنی قوم کے عظیم بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ نہایت صالح تھے۔ علم و ادب میں کمال حیثیت رکھتے تھے۔

۳۔ شیخ بادشاہ تائب علیہ الرحمۃ نہایت پارسا ہوئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے ہیں۔ پیر کامل راہبر شریعت و طریقت تھے۔

۴۔ حضرت شیخ ابو عبداللہ علیہ الرحمۃ جو اپنے فن میں منفرد حیثیت رکھنے والے اور بہترین پیر طریقت تھے۔ آپ طریقت میں بہترین رفیق تھے۔

۵۔ شیخ ابو طاہر مکشوف علیہ الرحمۃ اپنے عہد کے عظیم بزرگ گزرے ہیں۔

۶۔ حضرت خواجہ حسن سمنانی علیہ الرحمۃ جو اللہ کی محبت میں گرفتار اور خوش نصیبی کے عظیم صوفیائے کرام میں سے ہیں۔

۷۔ حضرت شیخ سہلکی علیہ الرحمۃ صوفیائے کرام میں عظیم صوفی گذرے ہیں۔

۸۔ حضرت احمد پسر شیخ خرقانی عظیم صوفیائے کرام میں گذرے ہیں۔ جو اپنے والد کے برگزیدہ جانشین ہیں۔

۹۔ حضرت ادیب گندی علیہ الرحمۃ عظیم صوفیائے کرام میں سے گذرے ہیں۔ جو اپنے عہد میں سادات میں چشم و چراغ تھے۔

اہلِ کرمان کے صوفیائے کرام

۱۔ حضرت خواجہ علی بن الحسین السیرکانی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ اپنے عہد کے سیاح گذرے

ہیں۔ آپ نے عظیم سفر کیے ہیں۔ آپ کے صاحبزدگان میں حکمار بھی ہوئے ہیں۔ آپ
فرد الفرید اور مرد یگانہ تھے۔

۲۔ حضرت شیخ محمد بن سلمہ اپنے عہد کے عظیم بزرگ ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے اولیائے کرام میں کچھ مخفی بزرگ ہوئے ہیں جو نوخیز نوجوان
اور تصوف میں بے مثل و بے مثال ہیں۔

اہلِ خراسان کے صوفیائے کرام: خراسان جو آج کل رحمتِ خداوندی اور توجہ کا عظیم سایہ ہیں۔ انھیں بزرگوں میں سے
مندرجہ ذیل بزرگ صف اوّل میں ہیں:

۱۔ شیخ اور عظیم مجتہد حضرت ابو العباس دامغانی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی
زہد و تقویٰ اور پارسائی میں گذاری۔ آپ اپنے عہد کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔

۲۔ حضرت خواجہ ابو جعفر محمّد بن علی الجوینی سلطان الطائفہ اور اہلِ تحقیق بزرگوں
میں سے ہوئے ہیں۔ آپ فرد الفرید تھے۔

۳۔ حضرت خواجہ ابو جعفر ترشیزی علیہ الرحمۃ اپنے عہد کے فرد الفرید اور بے مثل
اصحاب میں سے تھے۔

۴۔ حضرت خواجہ محمود نیشاپوری اپنے عہد کے عظیم امام و پیشوا اور سیف اللسان
تھے۔ آپ لطائف میں بے مثل تھے۔

۵۔ حضرت شیخ محمد معشوق علیہ الرحمۃ جو اپنے عہد کے عظیم بزرگ تھے۔ آپ کی ذات
عشقِ الٰہی میں پروانہ وار تھی۔ آپ کا باطن بلور کی مانند تھا۔ آپ کی سیرت یگانہ بے مثل
پروانہ تھی۔

۶۔ حضرت خواجہ رشید مظفر بن شیخ ابو سعید راہِ تصوّف کے بے مثل عالم اور
مقتدیٰ و رہنما اور صوفیائے کرام کے دلوں کا قبلہ تھے۔

۷۔ حضرت خواجہ شیخ احمد جمادی سرخشی علیہ الرحمۃ جو اپنے عہد کے جواں مرد تھے۔ اور ایک مدت تک میرے ساتھی بھی رہے ہیں۔

۸۔ حضرت شیخ احمد تجار سمرقندی علیہ الرحمۃ مرو میں سکونت رکھتے تھے اور اپنے عہد کے صوفیائے کرام کے سرتاج تھے۔

۹۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن علی الاسود۔ اپنے باپ کے بہترین خلف ہیں۔ اور اپنے معاملات میں صدقہ، فراست اور بلند ہمتی میں بے مثال بزرگ تھے۔

میں نے خراسان میں تین سو بزرگ ایسے دیکھے ہیں جن میں سے ہر ایک تصوف میں منفرد مشرب رکھتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک سارے جہان کیلئے کافی تھا۔ اور یہ سب اس لیے ہے کہ آفتاب عشقِ الٰہی اور اقبالِ طریقت خراسان میں چمکا تھا۔ لیکن میں اُن سب حضرات کا شمار کردوں تو کتاب طوالت میں شمار ہو جائے گی۔

اہلِ ماوراء النہر کے صوفیائے کرام

۱۔ حضرت خواجہ امام ابو جعفر محمد بن الحسین الحرمی خواص و عوام میں نہایت مقبول تھے۔ آپ کلامِ حق کے سامع اور محبتِ خداوندی میں فریفتہ صوفی تھے۔ آپ بڑی بلند ہمت اور اچھے احوال دان تھے۔

۲۔ حضرت خواجہ فقیہہ ابو محمد پالفری اچھے حالات اور مضبوط معاملات کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء میں صاحبِ مرتبت تھے۔

۳۔ حضرت خواجہ فقیہہ علیہ الرحمۃ اپنے عہد کے لوگوں میں باوقار تھے۔

۴۔ حضرت ابو محمد بالعزی علیہ الرحمۃ نہایت قوی المعاملہ اور کامل عارف ہوئے ہیں۔

۵۔ حضرت احمد ایلاقی علیہ الرحمۃ اپنے عہد کے عظیم الشان بزرگ اور اپنے عہد کے مخدوم ہوئے ہیں۔

۶۔ حضرت خواجہ عارف علیہ الرحمۃ اپنے زمانہ کے فرد الفرید اور بدیع العصر ہوئے ہیں۔

۷۔ حضرت علی بن اسحاق علیہ الرحمۃ اپنے عہد کے بہت بڑے امام اور قابل قدر مرد تھے۔ میں نے ان سب حضرات کی زیارت کی ہے اور ان کے مقام و مناصب کو دیکھا ہے۔

اہلِ غزنین کے صوفیائے کرام

۱۔ حضرت ابو الفضل بن الاسدی علیہ الرحمۃ: جو کہ شیخِ معرفت اور پیرِ زمانہ تھے۔ آپ کی براہینِ ظاہریہ اور کراماتِ باطنیہ و ظاہریہ روشن و تاباں ہیں۔ آپ عشق الٰہی کی آگ کے ایک شعلہ تھے۔ آپ نے گمنام زندگی حاصل کی۔

۲۔ حضرت اسمٰعیل الشاشی علیہ الرحمۃ جو دنیا کے اُمور سے مجرّد و کنارہ کش بزرگ تھے آپ با وقار شیخ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی ملازمت میں گذاری۔

۳۔ حضرت شیخ سالار طبری علیہ الرحمۃ جو تصوّف کے عظیم عالم تھے اور آپ صاحبِ حال سیرت گذرے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو عبداللہ محمّد بن الحکیم علیہ الرحمۃ جو مرید کے نام سے معروف تھے۔ آپ معدنِ اسرارِ تصوّف اور اللہ کی راہ کے تیز گام مشائخ میں سے تھے۔ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ پاک کے دیوانوں میں سے تھے۔ اور اپنے عہد میں اپنے فن کے بے مثل و بے مثال صوفی تھے۔ آپ لوگوں سے مخفی حال میں رہے۔ آپ کی براہین بہت واضح منور تھیں اور لقاد کا معاملہ نہایت عمدہ تھا۔

۵۔ حضرت سعید بن ابی سعید نہایت باوقار بزرگ اور عظیم الشان شیخ ہوئے ہیں۔ آپ حافظِ حدیث تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور آپ بکثرت مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ کا حال بہت درست تھا اور آپ عالم و فاضل صوفی تھے۔ لیکن آپ نے لوگوں سے معاملات پوشیدہ رکھے اور مخفی حال زندگی بسر کی۔

۶۔ حضرت ابو العلاء عبد الرحیم بن احمد اسعدی علیہ الرحمۃ عظیم امام و پیشوا سردار اور صاحبِ عزّت و وقار صوفی تھے۔ آپ اپنی قوم میں صاحبِ حشمت اور اپنے عہد کے امام تھے۔

میں آپ سے دلی طور پر خوش تھا۔ آپ نہایت مہذّب حالات اور نیک معاملات کے مالک تھے اور علم کے جملہ فنون سے باخبر تھے۔

۷۔ حضرت شیخ سورۃ بن محمّد بن الجردیزی علیہ الرحمۃ اہل طریقت کے امام و پیشوا، آپ ہر ایک کی عزّت و آبرو کرتے تھے۔ آپ بکثرت مشائخ کی زیارت سے شرفیاب ہوئے۔ اس کے وقت اگرچہ یہاں کے مکّاروں نے شہر میں گندگی پھیلادی ہے۔ اُمید ہے ان سے بہت جلد شہر پاک ہو جائے گا اور پھر آماجگاہِ اولیائے کرام بن جائے گا۔
اب ہم صوفیائے کرام کے مذاہب اور فرقوں کو بیان کریں گے۔ اللہ کو منظور ہوا۔ اور اللہ بہتر جاننے والا ہے اور اسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ اور وہی اَعلیٰ اَجر عنایت فرمانے والا ہے۔

مذاہبِ اَصفیاؔ

قبل ازیں میں نے حضرت ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ کے تذکرہ میں بیان کیا تھا کہ صوفیائے کرام بارہ گروہ میں منقسم ہیں۔ ان بارہ گروہوں میں دو گروہ مردود ہیں اور باقی دس گروہ مقبول ہیں۔ اور ان دو گروہوں میں سے ہر گروہ کا معاملہ اور طریقہ مجاہدات میں نیک اور صحیح ہے اور مشاہدات میں آپ کے آداب نہایت عمدہ ہیں۔ اور یہ لوگ معاملاتِ تصوّف، مجاہدات و ریاضات میں مختلف ہونے کے باوجود اصول و فروع شرع میں اور توحید میں بالکل آپس میں متفق ہیں۔

حضرت ابویزید علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اِخْتِلَافُ الْعُلَمَآءِ رَحْمَۃٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ۔ — علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر تجرید توحید میں سب کا اتفاق ہونا لازمی ہے۔

اور اس کلمہ کے موافق ایک حدیث پاک بھی معروف ہے۔ غرضیکہ حقیقتِ تصوّف ان مشائخ کے مابین حقیقی معنیٰ میں متفق علیہ ہے۔ اور رسمی و مجازی لحاظ سے یہ قدرے مختلف ہے۔ پس میں اعجاز و اختصار کے ساتھ اُن کے کلام کو تصوّف کے بیان میں تقسیم کرتا ہوں۔ اور مذہب حقیقیہ میں ہر ایک کے لیے عزت کا مقام متعین کرتا ہوں تاکہ طالبانِ حق

کو اس کا علم حاصل ہو۔ علمائے کرام کے لیے اوزار اور مریدین کے لیے اصلاح، محبت والوں کے لیے فتح و کامیابی، اہل عقل کے لیے تنبیہہ اور میرے لیے دو عالم میں یہ چیز ثواب کا سبب ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور اسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

فرقۂ محاسبیہ کے صوفیائے کرام: فرقۂ محاسبیہ کے لوگ حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب ہیں۔ جو تمام زمانہ والوں کے نزدیک مقبول النفس اور مقتول النفس بزرگ تھے۔ اور علوم اصول و فروع و حقائقِ تصوّف میں بڑے ماہر، تجرید توحید کی حقیقت جاننے والے اور معاملات ظاہری و باطنی میں نہایت ثابت قدم۔ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ رضا پر راضی ہونا، یہ کوئی مقامِ تصوّف نہیں ہے بلکہ یہ صوفی کا ایک حال ہے۔ مقام رضا کو مقام نہ ماننے کا دعویٰ آپ نے ہی سب سے قبل فرمایا تھا۔ پھر خراسان والوں نے اُسے قبول کیا۔ پھر اہلِ عراق نے اس کا ردّ کیا اور کہا کہ رضا یقیناً ایک مقام ہے۔ جو مقامِ توکّل کا منتہی ہے۔ اور اس قوم میں آج تک یہ اختلاف موجود ہے اب انشاء اللہ اس قول کو بیان کریں گے۔

رضا کی حقیقت کا انکشاف: سب سے قبل ہم رضا کی حقیقت کو بیان کریں گے اور اس کی اقسام بیان کریں گے۔ ازاں بعد حال و مقام کی حقیقت اور ان کا فرق واضح کریں گے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ حقیقتِ رضا کتاب و سنت سے ثابت ہے اور اس پر اجماعِ اُمّت ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ

اللہ اُن سے راضی ہُوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔

بیشک اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے راضی ہوا۔ جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا

اُس آدمی نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پہ راضی ہوا۔

جاننا چاہیئے کہ رضا دو اقسام میں منقسم ہے:۔

۱۔ رضا کی پہلی قسم اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے سے راضی ہونا ہے۔

۲۔ رضا کی دوسری قسم بندے کا اللہ سے راضی ہونا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کے لیے ثواب، نعمت و کرامت عنایت فرمانے کا قصد فرمالیں۔

بندے کی رضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندا احکام الٰہی پہ ثابت قدم رہے اور ہر حکمِ خداوندی کے روبرو اپنا سر جھکا دے۔

پس رضائے خداوندی بندے کی رضا پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کو توفیق عطا نہ کرے تو وہ نہ ہی اُس کے احکام پر عمل پیرا رہ سکتا ہے اور نہ ہی اُس کے احکام پر ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ بندہ کی رضا رضائے خداوندی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اُس کا قیام اُس کی ذات کے ساتھ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ بندہ کی رضا یہ ہے کہ اُس کا دل قضائے الٰہی کے دونوں اطراف یعنی قضائے منع اور قضائے عطا پر مساوی طور پہ مطمئن رہے۔ اور اُس کا باطن جمالی و جلالی دو قسم کے احوال کا نظارہ کرنے پر مستحکم رہے۔ چنانچہ قضائے الٰہی

اگر کسی شے کے نہ دینے پر ٹھہر جائے یا اُس کے عنایت کرنے پر پہل کرے تو بندہ کی رضا کے نزدیک دونوں حالتیں مساوی ہوں ۔ اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہیبت و جلالت کی آگ سے خاکستر ہو جائے یا اُس کے جمال اور لطف کے نُور سے منوّر ہو جائے تو یہ جل کر خاکستر ہونا اور منوّر ہونا اُس کے دل کے مساوی کیوں کہ وہ شاہدِ خداوندی کرنے والا ہے ۔ لہٰذا اُس کی ذات سے جو کچھ مشاہدہ میں آئے بندہ کے لیے بہتر ہے ۔ جس طرح کہ حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں دریافت کیا کہ میرے لیے فقر، دولت مندی سے اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ ہے ۔ تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :-

"اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حسنِ اختیار سے پہنچے ۔ اس کے سوا میں ہرگز آرزو نہ کروں گا ۔ بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اختیار فرمایا ۔"

اور جب بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اختیار کو دیکھ کر اپنی پسند و اختیار سے اعراض کرتا ہے تو وہ ہر قسم کے آلام و مصائب سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے ۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے دوری کی حالت میں نصیب نہیں ہوتی ۔ اس یقین و اطمینان کے لیے حضور و شہود چاہیئے ۔ کیونکہ قضائے الٰہی پہ رضا اندوہ و ملال کو دُور کرنے والی اور غفلت کے لیے شافی علاج ہے ۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فیصلوں پر انسانی رضا کو غموں سے دُور کرتی ہے ۔ غفلت کے پنجہ سے چھڑاتی اور ماسویٰ کا دل سے خیال دُور کرتی ہے اور مشقتوں کی قید سے آزاد کرتی ہے ۔ کیونکہ رضا کی صفت نجات دلانا ہے ۔ اس لیے کہ رضا کی صفت رہانیدن ہے یعنی آزاد و بری کر دینا ۔ لیکن معاملہ رضا کی حقیقت

یہ ہے کہ بندہ علمِ خداوندی کے ساتھ منع وعطا کو سمجھ کر علم پر قانع اور شاکر ہو جائے اور اس کا عقیدہ اس حال میں یہ ہو کہ تمام سے باخبر ذات وہی ہے۔ اس مسئلہ میں صوفیائے کرام چار گروہوں میں منقسم ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ پہلا گروہ وہ ہے جو نعمائے دنیا پر راضی رہتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ جو ابتلائے دنیا اور آلام و مصائب پر راضی رہتا ہے۔

۳۔ تیسرا گروہ وہ جو ذاتِ اَحدیت اور اُس سے محبت پر راضی رہتا ہے۔

۴۔ چوتھا گروہ وہ جو معرفتِ خداوندی پر راضی رہتا ہے۔

پس جو شخص معطی کو پیش نظر رکھتے ہوئے عطا کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اس عطا کو سچّے دل سے قبول کرتا ہے۔ اور جب سچّے دل سے قبول کر لیتا ہے تو ہر نوع کی مشقت اس سے دُور ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص عطا کو سامنے رکھ کر معطی کا مشاہدہ کرتا ہے وہ عطا میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور رضا کی راہ پر بتکلف چلتا ہے۔ جبکہ رضا میں تمام رنج اور مشقات موجود ہیں۔ اور معرفت حقیقت کی صورت اس وقت اختیار کرتی ہے جب بندہ معرفت کے حق میں مکاشف ہو جائے۔ لیکن اگر معرفت ہی اُس کے لیے مشاہدہ حق میں حجاب اور رکاوٹ بن جائے تو وہ معرفت بے پہچان، وہ نصیحت عذاب اور وہ عطا حقیقت میں پردہ ہو جاتی ہے۔ اور باقی جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ سے دنیا پر ہی راضی ہو جائے تو وہ ہلاکت و نقصان میں رہتا ہے کیونکہ وہ رضا اُس کے لیے دوزخ کی آگ کا موجب بن جاتی ہے کیونکہ سارا عالم بھی اس لائق نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے یا ذرہ برابر بھی اس کے غم کا بوجھ دل پر ڈالا جائے۔ اور نعمت تو اُسی وقت ہوتی ہے جب وہ انعام کردہ کی طرف رہنمائی کرے۔ اور جب نعمتِ منعم سے حجاب بنے تو وہ نعمت صرف بلا ہے اور وہ اس پروردگار کی بلا پر راضی ہے وہ، وہ گروہ ہے کہ ہر بلا میں مبلی کا مشاہدہ کرتا ہے تو ہر نوع کی تکلیف و مشقت مشاہدہ

جمالِ یار کی خوشی میں وہ برداشت کر لیتا ہے۔ بلکہ وہ رنج اس خوشی سے جو مشاہدۂ جمالِ دوست سے حاصل ہوتی ہے رنج نہیں رہتا۔ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برگزیدگی اور اُس کی محبت پر راضی رہتے ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ایسے عاشق ہیں کہ رضا اور ناراضگی میں اُن کا وجود عارضی ہوتا ہے۔ اُن کا دل محبتِ خداوندی کے علاوہ کسی کی منزل نہیں ہوتا اور اس کے رازوں کا خیمہ محبتِ خداوندی کے باغ کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے وہ حاضر ہیں جو ماسوی اللہ سے غائب ہیں۔ وہ فرش کے مکین ہیں جن کا تصور عرش پہ ہے۔ وہ جسم ہیں جو نورانی رُوح والے ہیں۔ اور وہ موحدِ ربانی ہیں جن کا دل مخلوق سے الگ ہے۔ یہ لوگ تمام دنیا جہان سے اپنے باطن کو روک کر مکافات و احوال کی تلاش میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت میں کمربستہ ہو کر اُس کے لطف و کرم کے لیے سراپا انتظار بنے بیٹھے ہیں۔ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے انھیں لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُورًا ۔

وہ اپنے نفوس کے لیے ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہوتے اور نہ زندگی اور موت اور حشر کے۔ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

پس ماسوئ ذاتِ باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم اور کسی چیز کے لیے رضا مضر ہے اور کسی شے کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے رضا اللہ تعالیٰ کی جنت کا ذریعہ ہے کیونکہ ان کے بجز کسی شے سے راضی ہونا ہلاکت ہے اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ پر راضی ہو جانا عین سعادت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :۔

مَنْ لَّمْ يَرْضَ بِاللّٰهِ وَبِقَضَائِهٖ شَغَلَ قَلْبَهٗ وَ تَعِبَ بَدَنُهٗ۔ جو شخص اللہ پر اور اُس کے فیصلوں پر راضی نہیں ہوتا وہ اپنے دل کو اسباب کی تلاش میں مشغول اور اپنے بدن کو مصائب میں پھنسا دیتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ اللہ وہ ذاتِ کریمہ ہے جو ہر کسی پر کرم کرنے والی اور رحم کرنے والی ذات ہے۔ اور اللہ ہی بہتر ثواب دینے والا ہے۔

فصل: آثار میں وارد ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السّلام نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کیا:۔

اَللّٰهُمَّ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُ رَضِيْتَ عَنِّيْ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ يَا مُوْسٰى فَخَرَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ يَا ابْنَ عِمْرَانَ اِنَّ رِضَائِيْ فِيْ رِضَاءِكَ لِقَضَائِيْ۔ اے اللہ! مجھے ایسا عمل بتا جسے میں سرانجام دُوں تو تُو مجھ سے راضی ہو جا۔ اے موسیٰ تو اس چیز کی طاقت نہیں رکھتا پس حضرت موسیٰ علیہ السّلام سربسجود ہو گئے اور عاجزی وزاری کرنے لگے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی اے ابن عمران میری رضا میری قضا پر تیرے راضی رہنے میں ہے۔

حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ نے ایک دفعہ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ زہد کی فضیلت زیادہ ہے یا رضا کی فضیلت زیادہ ہے۔ تو حضرت فضیل علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

اَلرِّضَاءُ اَفْضَلُ مِنَ الزُّهْدِ لِاَنَّ الرَّاضِيْ لَا يَتَمَنّٰى فَوْقَ مَنْزِلَهٗ۔ رضا زہد سے افضل ہے کیونکہ قضا پر راضی رہنے والا اپنی اس منزل سے اُوپر کی تمنا نہیں رکھتا۔

زہد کی منزل سے اُوپر بھی منزل ہے جس کے لیے زاہد کے دل میں آرزو پیدا ہو۔ پس سب سے آخری منزل افضل ہے۔ اُس منزل کے بعد بھی منازل موجود ہیں۔ اور یہ حکایت حضرت محاسبی علیہ الرحمۃ کے قول کی صحت پر دلیل ہے کہ رضا احوال سے ہے منازل سے نہیں اور یہ عطائے الٰہی پر منحصر ہے اور اس کا حاصل کرنا کسب و محنت سے نہیں ہوتا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہے کہ آپ اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"الٰہی میں قضا کے آجانے پر تیری رضا کا تجھ سے سوالی ہوں۔"

یعنی مجھے وہ صفت عنایت فرما کہ جب تیری جانب سے قضا میرے مقدر میں ہو تو مجھ کو اُس پر راضی پائے۔ اس سے یہ بات بھی صحیح ہوگئی کہ قضا کے آنے سے قبل رضا صحیح نہیں کیونکہ قضا کے آنے سے قبل رضا کا قصد تو ہوتا ہے لیکن رضا کا قصد بالکل رضا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوالعباس ابن عطا کا فرمانِ عالی شان ہے:۔

اَلرِّضَا نَظْرُ الْقَلْبِ اِلٰی قَدِیْمِ اِخْتِیَارِ اللّٰہِ لِلْعَبْدِ۔

بندہ کے لیے رضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازلی اختیار پر نگاہ رکھے۔

یعنی جو اُسے رنج و غم پہنچے جان لے کہ یہ میرے لیے اس مصیبت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازلی ارادہ اور حکم موجود تھا اور اس پر مضطرب نہ ہو بلکہ وہ اپنے دل میں خوشی محسوس کرے یعنی اہل مذہب حضرت حارث محاسبی کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلرِّضَا سُکُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ مَبَادِی الْاَحْکَامِ۔

دل کے سکون کا نام رضا ہے جو احکام کی راہوں کی طرف دل میں ہو۔

اس تعریف و توصیف کے تحت بھی حارث محاسبی علیہ الرحمۃ کا مذہب قوی ہے۔

اس لیے کہ سکونِ طمانیتِ قلب بندہ کے کسب سے نہیں بلکہ مواہبِ الٰہیہ کے ساتھ ہے
جب تک وہ سکون اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عطا نہ ہو، ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور
حضرتِ محاسبی علیہ الرحمۃ دلیل قائم کرتے ہیں کہ رضا حالِ بندہ کا نام ہے نہ کہ مقام کا نام ہے۔
کہتے ہیں کہ حضرت عتبۃ الغلام علیہ الرحمۃ ایک دفعہ پوری رات نہ سوئے اور صبح تک
یہی وردِ زبان رہا:

اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاَنَالَکَ عَبْدٌ لَکَ مُحِبٌّ وَ اِنْ تَرْحَمْنِیْ فَاَنَالَکَ مُحِبٌّ۔

اگر تو مجھے عذاب دے پھر بھی میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ اور اگر تو مجھ پر رحم کرے میں پھر بھی تیرا محب ہوں۔

یعنی عذاب کی تکلیف و نعمت کی لذّت دونوں بدن پر ہوتی ہے جب کہ دوستی کی بے چینی
دل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جسم کی تکالیف دل کی محبت پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ یہ بھی حضرت
محاسبی علیہ الرحمۃ کے قول کی تائید ہے کہ رضا محبت کا نتیجہ ہوتی ہے کہ محبوب کے ہر فعل پر
محب راضی ہے۔ اگر محبوب اُس کو عذاب میں رکھے پھر بھی دوستی سے پردے میں نہیں ہوتا
اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اختیار کے مقابلہ میں اپنے اختیار کو ناچیز جانتا ہے۔ حضرت
ابو عثمان خیری علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:

منذ اَرْبَعِیْنَ سُنَّۃٍ مَا اَتَا منی اللّٰہ فِیْ حَالٍ فکرھتہ وَ مَا نَقَلَنِیْ اِلٰی غَیْرِ فَسَخْتُہٗ۔

اللہ تعالیٰ نے چالیس سال سے مجھے جس حال میں بھی رکھا میں نے اُسے مکروہ نہ سمجھا۔ اور اگر اس حال سے دوسرے
حال تبدیل کیا تو میں نے اس غصّہ نہ کیا۔

یہ دوامِ رضا اور کمالِ محبت کی طرف اشارہ ہے۔ ایک حکایت میں ہے کہ ایک
درویش دریائے دجلہ میں پھنس گیا وہ تیراک نہیں تھا۔ ایک آدمی نے کنارے پر کھڑے
ہو کر کہا کہ تمہارا خیال ہے سب کو اس کی اطلاع دے دوں تا کہ وہ آپ کو دریا سے

باہر نکال لیں۔ درویش بولا نہیں، پھر اُس نے درویش سے پوچھا تم کیا چاہتے ہو کہ غرق
ہو جاؤ۔ درویش نے کہا نہیں۔ اُس نے پوچھا آخر آپ کا ارادہ کیا ہے۔ درویش بولا
میں وہی چاہتا ہوں جو میرے لیے میرا رب چاہتا ہے۔ اور رضا کے بیان میں
مشائخ کے بکثرت اقوال ہیں۔ گو عبارت مختلف ہے پھر بھی اس کا قاعدہ انہی دو باتوں
پر مشتمل ہے جو میں نے بیان کر دی ہیں۔ مگر ترک طویل کر کے اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا۔
اب میرے لیے ضروری ہے کہ حال و مقام کے فرق کی شرح کر دوں۔ تاکہ اس کی حدود اور اس کے
معنیٰ کا ادراک آسان ہو سکے۔

حال و مقام کا انکشاف

جاننا چاہیئے کہ یہ دونوں لفظ صوفیائے کرام کی جماعت نے استعمال کیے ہیں۔ صوفیائے
کرام کی عبارت میں جاری اور اُن کے علوم میں بہت زیادہ موجود ہیں۔ ان کے اثبات
اور وضاحت کے لیے اس مقام پر گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا فنِ تصوّف حاصل کرنے والوں
کو اس کے سمجھے بغیر گذارا نہیں۔ یہ سب توفیق اللہ ہی کی عطا کردہ ہے جو تمام جہان کا
خالق و رازق ہے۔ اور وہی علم عطا کرنے والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ میم کے پیش کے ساتھ بندہ کے کھڑا ہونے اور میم کے زبر کے
ساتھ کھڑا ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ تفصیل لفظ کے معنیٰ میں جو کی گئی وہ بھول ہے
بلکہ غلط ہے۔ لیکن دراصل یہ تفصیل اور معنی سہو و غلط ہیں کیونکہ عربی لغت میں مقام میم
کی پیش کے ساتھ قائم ہونے اور قائم ہونے کی جگہ کو اور مقام میم کی زبر کے ساتھ قیام
کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور بندہ کی اقامت کی جگہ خدا کی راہ ہوتی ہے۔ اور اس
مقام میں حقِ خداوندی کی رعایت رکھنے اور اُس کے ادا کرنے کا تصوّر کرنا ضروری ہے
تاکہ جہاں تک ہو سکے وہ اس کی کمالِ ذات کا ادراک کرے۔ اور جب تک اللہ تبارک
و تعالیٰ اس مقام سے نہ گزاریں بندہ خود نہیں گزر سکتا۔ چنانچہ مقاماتِ تصوّف میں

سے پہلا مقام توبہ ہے، دوسرا مقام انابت ہے، تیسرا مقام زہد ہے اور چوتھا مقام توکل ہے۔ اسی طرح دوسرے تصوّف کے مقامات کا درجہ آتا ہے۔ کسی کے لیے یہ صحیح نہیں کہ توبہ کے بغیر انابت کا دعویٰ کرے۔ انابت کے بغیر زہد کا دعویٰ کرے اور زہد کے بغیر توکل کا دعویٰ بھی قطعاً صحیح نہیں۔ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حضرت جبریل امین علیہ السّلام کے متعلق یہ خبر دی کہ جبریل امین علیہ السّلام نے حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصّلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت میں عرض کیا،

وَ مَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کے لیے ایک مقام معلوم نہ ہو۔

تحقیق حال یہ ہے کہ حال اُس کیفیت کا نام ہے جو اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی جانب سے صوفی کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ اس طرح کہ جب وہ حال طاری ہو جائے تو اسے اپنے اختیار سے دُور نہیں کر سکتے۔ اور جب وہ ختم ہو جائے تو اپنی جدّوجہد سے اُسے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اس کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے طالب کے لیے کسب کرنے اور مجاہدہ سے تقرب حاصل کرنے کی ایک مقدار کا درجہ رکھا ہے اور بغیر واسطہ کے حال مجاہدہ بندہ کے دل میں فضلِ خداوندی اور لطف محض کے ساتھ ایک کیفیت کا پیدا ہونا ہے۔ اس لیے کہ مقامِ اعمال میں سے ایک عمل ہے جبکہ حال افضال میں سے ایک فضل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مقام میں انسانی محنت و اکتساب کا دخل ہے جبکہ کیفیت حق تعالیٰ کے عطا کردہ عطیات میں سے ایک عطیہ ہے۔

پس صاحبِ مقام اپنے مجاہدات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ جبکہ صاحبِ حال خود سے فانی ہوتا ہے اور اُس کا قیام اُس حالت کے ساتھ ہوتا ہے جو اللہ سبحانہٗ، وتعالیٰ اُس میں پیدا فرماتے ہیں۔ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس جگہ مختلف ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو حال کو ہمیشہ رکھتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو اس کے دوام کو صحیح نہیں سمجھتا۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حال کے دوام کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محبت، شوق، قبض و بسط یہ تمام کے تمام احوال ہیں۔ اگر ان میں دوام کو صحیح نہ سمجھا جائے تو نہ محب، محب ہوگا اور نہ مشتاق، مشتاق ہوگا۔ اور جب تک حال بندہ کی صفت نہ بن جائے تب تک اُس کے نام کا اطلاق اس بندے پر نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیے رضا کو منجملہ احوال کہتے ہیں۔ حضرت عثمان علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةٍ مَا اَقَامَنِیَ

اللّٰہُ عَلٰی حَالٍ فَکَرِھْتُہٗ۔

اس میں بھی اشارہ اسی کی طرف تھا۔ اور دوسری جماعت حال کے دوام و بقا کو صحیح نہیں سمجھتی۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ بَقِیَتْ فَحَدِیْثُ النَّفْسِ۔

احوال برق کی مانند ہے جو نظر آتا ہے اور ٹھہرتا نہیں اور جو باقی رہتا ہے وہ حال نہیں بلکہ وہ نفس کی بات ہے۔

اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ حال کے یہ معنی ہیں:۔

اَلْاَحْوَالُ کَاسْمِھَا یَعْنِیْ اِنَّھَا کَمَا تَحِلُّ بِالْقَلْبِ تَزُوْلُ۔

حال کی مثال ایک نام کی ہے یعنی حال حلول کرکے ایک وقت دل میں ملتا ہے اور پھر وہ حال زائل ہو جاتا ہے۔

اور جو باقی رہتا ہے وہ صفت بن جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قیام صفت پر موصوف ہے۔ اور موصوف کو اپنی صفت سے زیادہ کامل ہونا چاہیئے۔ جبکہ یہ سب کچھ محال ہے۔ حال و مقام کے مابین یہ امتیاز میں نے یہاں اس لیے بیان کر دیا ہے کہ صوفیائے کرام کی عبارات میں اور کتاب ہٰذا میں جہاں کہیں حال و مقام

کی اصطلاح کو دیکھو۔ جان لو کہ اس جگہ کونسی چیز مراد ہے۔ پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ رضا مقاماتِ تصوّف کی انتہا اور احوال کی ابتدا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جس کے ایک طرف کسب اور اجتہاد میں ہے۔ اور دوسری طرف محبت اور غلبۂ شوق میں۔ اور اس سے اُوپر کوئی اور مقام نہیں ہے۔ اور اس حالت میں اگر مجاہدات کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو ابتدائے کسب سے ہے اور انتہا مغفورات سے ہے۔ اب ایک احتمال پیدا ہوتا ہے کہ جس نے ابتدا میں اپنی رضا کو اپنے سے دیکھا اُس نے کہا مقام ہے اور جس نے انتہاء رضا کو اپنے پروردگار سے دیکھا تو کہا حال ہے۔ یہی مذہب محاسبی کا حکم تصوّف کے اصول میں ہے۔ البتہ معاملاتِ طریقت میں اُنہوں نے باقی صوفیائے کرام سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ تاہم وہ اپنے مریدین کو اُن عبارات و معاملات سے منع فرمایا کرتے تھے جن میں خطا کا وہم موجود ہوتا گو ان کی بنیاد صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ ایک دن حضرت ابوحمزہ بغدادی علیہ الرحمۃ جو حضرت محاسبی علیہ الرحمۃ کے مرید ہیں، حضرت محاسبی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ سماع سننے والے اور صاحبِ حال میں سے تھے۔ حضرت محاسبی علیہ الرحمۃ نے ایک سیمرغ پالا ہوا تھا جو بانگ دیتا تھا اتفاقاً اُس نے حضرت محاسبی علیہ الرحمۃ کی حاضری میں بانگ دے دی۔ حضرت حمزہ علیہ الرحمۃ نے ایک نعرہ لگایا۔ حضرت حارث محاسبی علیہ الرحمۃ چھری لے کر اُٹھے اور حضرت ابوحمزہ علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ تو کافر ہو گیا۔ اور اسے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ حاضرین جلسہ میں جو خاص خادم تھے وہ حائل ہوئے اور آپ کے قدموں میں گر گئے اور آپ کو اُس سے جُدا کر دیا۔ مختصر یہ کہ حضرت حارث نے حضرت ابوحمزہ سے فرمایا:۔

اَسْلِمْ یَا مَطْرُوْدُ ۔ اے مطرود دوبارہ اسلام لا۔

مریدین نے کہا اے شیخ ہم تو سب کے سب انھیں اولیائے کرام میں سے خاص جانتے تھے اور خالص توحید پرست سمجھتے ہیں۔ آپ نے انھیں مطرود فرما دیا۔ آپ کو اس کے

بارے میں یہ تردد کیسے پیدا ہُوا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس کے ظاہر و باطن کو مستغرقِ توحید جانتا ہوں۔ لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو حلولیوں کے افعال کے مشابہ تھی۔ کہ اُن کے مقالات میں سے کسی چیز کا اس کے معاملات میں دخل ہو کہ ایک مرغ جو عقل سے خالی ہے اُس نے تو اپنی عادت و خواہش کے مطابق بانگ دی ہے لیکن اس کی آواز سے اس کو سماع کی کیفیت کیوں واقع ہو گئی حالانکہ ذات خداوندی قابلِ تقسیم نہیں کہ اس کا کچھ حصّہ اس مرغ میں حلول کر گیا ہو اور صوفی اُس کی آواز پر وجد میں آجائے۔ اور اولیائے کرام کو اس کے کلام کے بغیر آرام اور اُس کے اسلام کے بغیر وقت و حال نصیب نہیں ہوتا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نہ تو اشیاء میں حلول و نزول فرماتے ہیں اور نہ ہی ذات قدیمہ کا حادث اشیاء کے ساتھ اتحاد و امتزاج صحیح ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو حمزہ علیہ الرحمۃ نے شیخ کی طرف دیکھا اور عرض کیا یا شیخ اگرچہ میں اصل میں صحیح تھا۔ لیکن چونکہ میرا فعل کسی قوم کے مشابہ ہو گیا۔ میں توبہ کرتا ہوں اور اس سے باز آتا ہوں۔ اس نوع کی بہت سی باتیں آپ سے روایت ہیں۔ مگر میں ان میں اختصار کرتا ہوں۔ اور طریق بڑا قابل تعریف ہے کہ سلامتی کے راستہ میں صحو و ہوشیاری کو ترک کیے بغیر کمال درجے کی سلامتی حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرَةِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمَ۔	جو کوئی اللہ اور آخرت کے یوم پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ تہمت کے مقامات پر کھڑا نہ ہو۔

اور میں علی بن عثمان الجلابی ہر وقت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے ایسے ہی عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ لیکن یہ بات زمانہ کے رسمی صوفیوں کی محبت میں نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اگر تم مصیبت و ریاکاری میں اُنکی موافقت نہیں کرو گے تو وہ مخالف ہو جائیں گے۔

اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی سے ہر قسم کے ثواب کی اُمید ہے۔ اور اُسی کی عطا کردہ توفیق سے سب کچھ پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

فرقۂ قصاریہ کی حقیقت کا انکشاف:- فرقۂ قصاریہ صوفیائے کرام کے فرقوں میں ایک فرقہ ہے۔ اس فرقہ کا تعلق حضرت ابی صالح بن حمدون بن احمد بن عمارہ القصار علیہ الرحمۃ سے ہے جو بہت بڑے بزرگ علماء اور صاحبِ سلسلہ تھے۔ آپ کا طریقہ ملامت کا اظہار اور نشر کا طریقہ تھا اور معاملاتِ طریقت کے تمام فنون میں آپ کا کلام بہت ارفع مقام کا حامل ہے۔ آپ کا فرمان عالی شان ہے:-

"لازم ہے کہ خلوت میں اپنے پروردگار کے ساتھ نیک معاملہ اس سے زیادہ رکھا جائے جتنا کہ علانیہ لوگوں کے رُوبرو رکھا جاتا ہے کہ وہ سب سے بڑا حجاب ہے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اور وہ دل کے ساتھ مخلوق میں مشغول ہے۔"

یعنی تمھیں چاہیئے کہ خلوت و تنہائی میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تمھارا معاملہ مخلوق کے سامنے تمھارے معاملے سے زیادہ بہتر ہو۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے تمھارا سب سے بڑا حجاب ہے کہ تمھارا دل غیر حق میں مشغول ہو۔ مخلوق کے ساتھ آپ کے معاملہ ملامت کے بارے میں کتاب کے آغاز میں احوال و حکایات کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔ لہٰذا یہاں طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے اختصار سے کام لے رہا ہوں۔ آپ کی عجیب و غریب حکایات میں سے ایک نادر حکایت ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ:-

"میں ایک روز نیشا پور کے میلے شہر حیرہ میں جا رہا تھا کہ ایک بزرگ جس کا نام نوح تھا جو زہد و تقویٰ میں فرد الفرید تھا۔ اور نیشا پور کے تمام

عیار اور ڈاکو اُس کے تابع دار تھے۔ میں نے اُس کو دیکھا تو پوچھا اے نوح، جواں مردی کیا شے ہے؟ نوح نے کہا میری جواں مردی پوچھتے ہو یا اپنی جوانمردی کے بارے میں پوچھتے ہو۔ میں نے کہا دونوں کے بارے میں بتادیں۔ اُس نے کہا میری جوانمردی تو یہ ہے کہ میں قبا اُتار کر گدڑی زیبِ تن کر لوں اور اُسی کے لوازمات اپنا لوں تاکہ صوفی بن جاؤں اور پھر اللہ تبارک و تعالیٰ سے حیا کرتا ہُوا گناہوں سے پرہیز کروں۔ اور تیری جواں مردی یہ ہے کہ تم گدڑی اُتار دو تاکہ تم مخلوق کے لیے اور مخلوق تمہارے لیے فتنہ کا سبب نہ بنے۔ تاہم میری جوانمردی شریعت کی حفاظت کرنے اور تمہاری جوانمری باطن میں حقیقت کی محافظت کو کہتے ہیں۔ اور یہ اصل بہت قوی ہے۔"

اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی طرف سے ہر قسم کا صواب حاصل ہے۔ اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

فرقہ طیفوریہ کا واسطہ ابویزید

فرقہ طیفوریہ کی حقیقت کا انکشاف:۔ طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی علیہ الرحمۃ سے ہے۔ یہ صوفیائے کرام کے رُوسا اور عظیم مشائخ میں سے تھے۔ آپ کا طریقہ کار غلبۂ شوق اور مستی تھا۔ محبتِ خداوندی کا شوق اور اس میں مستی انسان کے اپنے اکتساب سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور جو چیز انسان کے اپنے دائرۂ اختیار سے خارج ہو اُس کا دعویٰ باطل ہوتا ہے اور اُس کی تقلید محال ہوتی ہے۔ تو لامحالہ صاحی کی صفت سکر نہیں ہو سکتی۔ اور انسان جلب سکر کی اپنے اندر کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ اور حالت سکر والا صوفی مغلوب ہوتا ہے۔ اُس کو مخلوق کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی کہ اُس سے تکلف والے اوصاف میں سے کوئی وصف ظاہر ہو۔

اور مشائخ تصوف کی رائے اس طرف ہے کہ اقتدا صرف اُس شخص مستقیم کی صحیح ہے جو گردش احوال سے آزاد ہو چکا ہے۔ اور ایک مشائخ کی جماعت اس طرف ہے کہ اقتداء صاحی اور صاحبِ سکر دونوں کی رَوا ہے تاکہ انسان بتکلف غلبہ اور سکر کے راستہ پر چل سکے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

بَکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا۔ رویا کرو اور اگر رو نہ سکو تو رونے والی شکل بنالو۔

اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ریاکاروں کی جماعت کی مثل خود کو بنا لینا۔ یہ تو صریح شرک ہے۔ دوم خود کو صوفیائے کرام کی مثل کر لینا اللہ تبارک و تعالیٰ اُن کی اس صورت کو دیکھ کر انھیں اس مقام پر پہنچادیں جس پر وہ لوگ رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ اس طرح حضور پُر نُور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرمان عالی شان کے مطابق ہو جائیں کہ:۔

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔ جو جس قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ اسی میں سے ہوگا۔

پس صراطِ مستقیم میں مجاہدات کی اقسام میں سے جو بھی پیش آئے اُسے اختیار کرے۔ اور درگاہِ واہب المراد سے اُمیدرکھے تاکہ مبدا فیض سے اس کے لیے درِ معانی کشادہ ہوں۔ کیونکہ مشائخ میں سے ایک شیخ کا قول مبارک ہے:۔

اَلْمُشَاھِدَاتُ مَوَارِیْثُ الْمُجَاھِدَاتِ۔ مشاہدات، مجاہدات کی میراث اور نتیجہ ہیں۔

مجاہدات ہر حال میں بہتر ہیں لیکن سکر اور غلبہ میں کسبِ انسانی کا کوئی ایسا دخل دخل نہیں کہ اس کوشش کے ذریعہ کیفیت سکر و غلبہ کا جلب ہو سکے۔ اور مجاہدات کبھی علت حصول سکر نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ مجاہدہ بحالت صحو میں انسان کر سکتا ہے۔

اور صاحبِ صحو کو سکر کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔ اب ہم سکر و صحو کی حقیقت کو مشائخ کے اختلاف کے بیان کے ساتھ سناتے ہیں تاکہ سننے والے کا اشکال دُور ہو جائے۔

سکر اور صحو کی حقیقت کا انکشاف :-

جاننا چاہیئے کہ اللہ ربُ العالمین جل مجدہ الکریم تمہیں عزت و آبرو سے نوازے کہ غلبہ اور سکر اربابِ معانی کے نزدیک ایسی عبارت ہے جس سے محبتِ الٰہی کا غلبہ مراد لیا جاتا ہے اور صحو عبارت ہے مقصد و مراد حاصل کرنے سے۔ ان کے بارے میں اہلِ معانی کے بکثرت اقوال ہیں۔ ایک جماعت سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے اور دوسری صحو کے سکر سے افضل ہونے کی قائل ہے۔ اور وہ ابو یزید میں اور اُن کی جماعت۔ اُن کا کہنا ہے کہ صحو تمکین و اعتدال پر صفتِ آدمیت کی صورت پکڑ لیتا ہے۔ اور یہ سب سے بڑا حجاب ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے اور سکر زوالِ آفات اور نقصِ صفاتِ بشریت اور تدابیرِ دنیا اور ذاتی اختیار کو دُور کر دیتا ہے۔ اور صاحبِ سکر کے تمام تصرفات خیارِ حق کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں۔ اور تمام تدابیر و اختیارات کی طاقتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ اور وہ معانی جو اس کے وجود میں بصورتِ قویٰ اور خلافِ جنس ہیں۔ اور یہ حالت اُس دوسری حالت سے زیادہ کامل و مکمل اور بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام حالتِ صحو میں تھے۔ اور اُن سے ایک کام سرزد ہوا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اُن کے اس فعل کو انہی کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

وَ قَتَلَ دَاوٗدَ جَالُوْتَ — اور داؤد علیہ السّلام نے جالوت کو قتل کیا۔

اور ہمارے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ سکر میں تھے تو آپ کا ہر وہ فعل جو آپ کی طرف سے ظہور میں آیا تو حق تعالیٰ نے اُن کے اس فعل کو انہی کی طرف

منسوب کیا اور فرمایا :۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اور وہ کنکریاں تم نے اے محبوب نہیں پھینکیں۔ جب تم نے پھینکیں وہ اللہ نے پھینکی تھیں۔

پس دیکھیے کہ ایک بندے اور دوسرے بندے کے مابین کس قدر فرق ہے کہ جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ ثابت ہے۔ اُس کے متعلق کرامت کے طور پر فرمایا ہے کہ تو نے بذاتِ خود یہ کام سر انجام دیا ہے۔ لیکن جو بندہ اپنی صفات سے فنا ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اُس کے فعل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی کیا ہے خود کیا ہے۔ تو اضافتِ فعل بندہ ذات مستجمع الصفات کی طرف بہتر ین ہے۔ اس صفات سے جو بندہ اپنی طرف قائم رکھے۔ تو جب فعلِ حق مضاف ہو بندہ کی طرف تو بندہ بخود قائم ہوتا ہے۔ اور جب بندہ کا فعل حق کی طرف مضاف ہو تو بندہ بحق قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک نظر جب وہاں پڑی جہاں نہ پڑنی چاہیئے تھی۔ یعنی ایک عورت پر جو اوریا کی عورت تھی۔ جسے دیکھا وہ ان پر حرام تھی۔ اور جب بندہ بحق قائم ہو گیا جیسے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیمات کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اس طرح زید کی بیوی پر۔ مگر وہ بیوی زید پر حرام ہو گئی۔ اس لیے کہ وہ نظر جو حضرت داؤد علیہ السلام کی تھی وہ محل صحو میں تھی اور یہ نظر جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یہ محل سکر میں تھی۔ پھر جو لوگ صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں وہ حضرت جنید علیہ الرحمتہ اور آپ کے پیرو ہیں اُن کا قول ہے کہ حالتِ سکر آفت ہیں ہے کیونکہ وہ احوال کی تشویش، صحت کے ختم ہو جانے اور اپنی حالت پر قابو نہ رہنے کا سبب ہے۔ اور طالب کے ہر پہلو میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ فنا ہو یا برائے بقا رہے۔ محو ہو یا برائے اثبات قائم ہو۔ جب وہ صحیح الحال

ہے۔ نہیں رہا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہلِ حق کا دل تو تمام اشیائے ثابتہ سے مجرد ہونا چاہیئے۔ اور ایک نابینا آدمی کو تو اشیاء کے ساتھ تعلق سے نہ کوئی راحت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی اُن کی خرابی سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ باقی لوگوں کا بجز حق سبحانہ، و تعالیٰ دوسری اشیاء میں اُلجھے رہنا۔ انھیں صرف اس لیے کہ وہ ان چیزوں کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دیکھنے والا ہر شے کو بچشم بقا دیکھے۔ دوسرے یہ کہ اس شے کو فنا کی نظر سے دیکھے۔ اگر وہ باقی رہنے والی نظر سے دیکھے گا تو کل اشیاء اپنی بقا میں ناقص نظر آئیں گی۔ کیونکہ اشیاء باقی رہنے کے حال میں اپنے سے باقی نہیں پاتا۔ اور اگر فانی نظر سے دیکھے گا تو کل اشیاء پہلوئے بقاء واجب تعالیٰ میں فانی نظر آئیں گی۔ تو یہ دونوں نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو اعراض پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اسی لیے تو حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصّلوٰۃ والتسلیمات نے اپنی دعا میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اَدِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ — اے اللہ! ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔

اس لیے کہ جس نے اشیاء کی حقیقت کو دیکھ لیا وہ آسودہ ہو گیا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس قول کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ — اے آنکھ والو عبرت حاصل کرو۔

کیونکہ جب تک وہ اشیاء کو اس طرح نہ دیکھیں گے جس طرح کہ وہ ہیں تو عزت حاصل نہ کر سکیں گے۔ تو یہ تمام کیفیت صحو میں آئے بغیر درست نہیں ہوتی۔ اور اہلِ سکر کو اس معنی میں کچھ آگاہی نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام حالتِ سکر میں تھے تو اللہ تعالیٰ کی ایک تجلّی کو بھی برداشت نہ کر سکے اور بیہوش ہو گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے :۔

خَرَّ مُوسٰى صَعِقًا   موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اور ہمارے حضور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حالت صحو میں مکہ سے عین تجلیات الٰہی میں قاب قوسین تک چلے گئے۔ پھر ہر لمحہ ہوشیار اور بیدار رہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ اور اُسی سے حقیقی صواب کا حصول ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

شَرِبْتُ الرَّاحَ كَاسًا بَعْدَ كَاسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رُوِيتُ

میں نے پے در پے شراب کے پیالے پیئے۔ تو شراب نے نہ مجھ میں نفوذ کیا اور نہ ہی میں سیراب ہُوا۔

میرے مرشد جو حضرت جنیدی کا مسلک رکھتے تھے، نے فرمایا کہ سکر تو بچّوں کے کھیلنے کا میدان ہے اور صحو مردوں کے فنا ہونے کی جگہ ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی جو اپنے شیخ کی موافقت پر کمالِ صاحب سکر صحو ہو۔ اور صحو میں کم از کم درجہ یہ ہے کہ صاحب صحو صفاتِ بشریہ کے دیکھنے سے دُور ہو جاتا ہے۔ پس وہ صحو جو آفات اور خرابی کا مظہر بنے اُس سکر سے بہت بہتر ہے جو عین آفت ہے۔

حضرت عثمان مغربی علیہ الرحمۃ ایک حکایت میں اپنا فرمان عالی شان بیان کرتے ہیں کہ:

"آپ نے اپنے ابتدائی بیس سال تک جنگلوں میں اس طرح تنہائی اختیار کی کہ آدمی کی آہٹ تک نہ سُنی۔ حتیٰ کہ کثرتِ ریاضت و مجاہدات سے آپ کا جسم گھُل گیا۔ آپ کی آنکھیں اندر کو گھس گئیں۔ اور آپ کی صورت آدمیوں کی سی نہ رہی۔ بیس سال کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں فرمایا کہ مخلوق کی محبت اختیار کرو۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے آپ سے کہا کہ پہلے اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ

کے گھر کے پڑوسیوں کی محبت اختیار کرنی چاہیئے تاکہ برکت کا سبب بن
سکے۔ اس لیے آپ نے مکہ شریف کا قصد فرمایا۔ آپ کی آمد کی مشائخ
کرام کو پہلے ہی دلی طور پر خبر تھی۔ لہٰذا وہ آپ کو خوش آمدید کہنے کے لیے
شہر سے باہر نکلے تو آپ کو اس حالت میں پایا کہ آنکھیں بدلی ہوئی ہیں
اور مخلوق کی رتق کے سوا آپ پر کوئی چیز نہ تھی"۔

مشائخ نے دریافت کیا اے ابو عثمان تم نے بیس سال تک اس طرح زندگی گذاری ہے کہ اولادِ آدم تجھے پہچاننے سے بھی عاجز ہو گئی ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کس لیے گئے تھے اور وہاں کیا دیکھا اور اس موت میں کیا حاصل کیا اور اب کس لیے واپس آئے۔

آپ نے یہ سن کر جواباً فرمایا:

"میں سکر میں گیا تھا اور آفاتِ سکر دیکھ کر نا اُمید ہوا اور عاجز آ کر
واپس آیا"۔

مشائخ کرام نے کہا:

"اے ابو عثمان آپ کے بعد اب سب معبروں پر حرام ہے کہ وہ صحو و سکر
کی عبارت پر آئیں۔ اس لیے کہ آپ نے اس کا انصاف پورا کر دیا اور
آفاتِ سکر کو واضح طور پر دکھا دیا"۔

پس سکر عین بقاء میں فنا کا سراسر گمان ہے اور اس کی صفت حجاب ہے۔ اور صحو فنائے صنعت میں سراسر دیدار بقا ہے اور یہ عین کشف ہے۔ باقی اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ صحو کے مقابلہ میں سکر فنا سے زیادہ قریب ہے تو یہ محال ہے کیونکہ سکر حالت صحو پر ایک زائد صفت ہے۔ جب تک بندہ کی صفات زیادتی کی طرف رجوع ہوتی ہیں تب تک وہ بے خبر رہتا ہے اور جب نقص کی طرف ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُس کی حالت اُمید افزا ہوتی ہے۔ اور صحو و سکر میں یہ حال کی انتہا و غایت ہے۔ حضرت ابو یزید

جو مغلوب الحال تھے، کے متعلق ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ :۔

"حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ اس آدمی کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی محبت سے صرف ایک قطرہ ہی پیا اور مست ہو گیا۔"

حضرت بایزید علیہ الرحمۃ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ :۔

"آپ اُس آدمی کے متعلق کیا کہتے ہیں کہ تمام دنیا کے دریا محبّت کی شراب بن جائیں اور وہ اُن سب کو پی کر بھی تشنگی سے چلاتا رہے۔"

صوفیائے کرام کا یہ خیال ہے کہ حضرت یحییٰ نے حالتِ سُکر سے اور حضرت بایزید علیہ الرحمۃ نے حالتِ صحو سے عبارت کی۔ اس کے برعکس صورتِ حال یہ ہے کہ صاحبِ صحو وہ ہوتا ہے جو ایک قطرہ کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو۔ اور صاحبِ سُکر وہ ہے جو مستی میں سب کچھ پی جائے اور ابھی اُس کو اور بھی ضرورت ہو اس لیے کہ شراب سکر کا آلہ ہے۔ اور جنس کو اپنی ہی جنس سے زیادہ واسطہ ہوتا ہے۔ اور صحو اُس کی ضد ہے۔ اس کو شراب نوشی سے سکون حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن دو اقسام میں منقسم ہے۔ پہلی قسم سکر شرابِ مودت ہے۔ اور دوسری قسم سکر کاسِ محبت۔ سکر محبت بلاعلّت ہوتا ہے۔ اور محض رویتِ منعم سے پیدا ہوتا ہے۔ جس نے نعمت دیکھی تو گویا خود کو رنجور دیکھا۔ اگرچہ وہ سکر میں ہو تو اُس اصول سے صحو بھی دو قسم پر ہے :۔

۱۔ ایک صحو برغفلت ہے۔

۲۔ دوسرا صحو برمحبت و اقامت ہے۔

تو وہ صحو جس میں غفلت ہو وہ حجاب عظیم ہے۔ اور صحو جس میں محبت کی طرف راہ ملے وہ کشفِ مبین ہے۔ پس جو حالت غفلت سے ملی ہوئی ہو اگرچہ صحو ہو سُکر ہو گی۔ اور جو حالت محبت سے مقرون ہے وہ اگرچہ سکر ہے صحو ہو گی۔ جب بنیاد اور

اصل مستحکم ہو تو صحو سکر کی طرح ہوگا اور سکر صحو کی طرح ۔ اور جب بنیاد ہی مستحکم نہ ہو تو دونوں بے سود ہیں ۔

حاصل کلام یہ کہ صوفیائے کرام کی حد نگاہ میں علتوں کے اختلاف کی بنا پر صحو و سکر بھی مختلف ہوتے ہیں ۔ اور جب حقیقت کا سلطان اپنے جمال کو دکھاتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی ہوتے ہیں ۔ اس لیے کہ ان دونوں معانی کے اطراف باہم ملے ہوتے ہیں ۔ ایک کی انتہا دوسرے کی ابتدا ہوتی ہے ۔ اور ابتدا و انتہا باہمی تفرقہ کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتے ۔ اور جس چیز کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہو وہ حکم میں برابر ہوتی ہے ۔ اور ان کو ایک چیز میں جمع کرنا گویا تفریق کی نفی کرنا ہے ۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

إِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِنَجْمِ رَاحٍ
تُسَاوِیْ فِیْهِ سُکْرَانٌ وَ صَاحٍ

جب خوشی کے ستارے کے ساتھ صبح طلوع ہوتی ہے تو اُس وقت مست اور ہوشیار دونوں مساوی ہوتے ہیں ۔

سرخس میں دو بزرگ مکین تھے ۔ ایک لقمان اور دوسرا ابو الفضل حسن ۔ ایک روز حضرت لقمان حضرت ابو الفضل کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک جزو لیے ہوئے ہیں ۔ لقمان نے پوچھا حضرت ان جزو میں کیا تلاش کر رہے ہیں ۔ حضرت ابو الفضل نے جواب دیا ۔ وہی جو تم ترکِ اوراق میں تلاش کر رہے ہو ۔ عرض کیا پھر یہ اختلاف کیسا ؟ فرمایا اختلاف تو تمھیں نظر آ رہا ہے جو تم مجھ سے دریافت کر رہے ہو کہ میں اس میں کیا تلاش کرتا ہوں ۔ مستی سے ہوشیاری اور ہوشیاری سے بیدار ہو جاؤ تاکہ یہ اختلاف ختم ہو جائے ۔ اور تم ہی جان لو کہ میں اور تم کیا تلاش کر رہے ہیں ۔ تو طیفوریوں اور جنیدیوں میں صرف یہ اختلاف ہے جو ہم بیان کر چکے

اور مطلق معاملات میں اُن کا مذہب لوگوں کی صحبت کا ترک کرنا اور تنہائی اختیار کرنا ہے اور وہ اپنے مریدین کو بھی یہی حکم دیتے ہیں۔ اور اگر میسر آجائے تو یہ طریقہ بہت قابل تعریف اور ستودہ صفت ہے۔ اور حقیقی علم اللہ کو ہے جو ہر طرح کی توفیق دینے والا ہے۔ اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

فرقۂ جنیدیہ کا تعلق حضرت ابوالقاسم

فرقۂ جنیدیہ کی حقیقت کا انکشاف :- جنید بن محمد علیہ الرحمۃ سے ہے۔

یہ وہ بلند ہستی ہے کہ انھیں ہم چشم اور ہم عہد طاؤس العلماء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ اپنی جماعت کے سردار اور اماموں کے امام تھے۔ آپ کا مسلک صحو تھا اور یہ طیفوری مسلک کے خلاف ہے۔ اور ان کا اختلاف پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ تمام مذاہبِ صوفیاء میں معروف و مشہور مذہب آپ کا ہی ہے۔ اور تمام بزرگ بھی جنیدی مسلک کے ہی ہوئے ہیں۔ اگر کوئی اس سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو دیگر کتب میں دیکھے تاکہ اُسے اس سے بہتر معلومات حاصل ہو سکیں۔ مگر میرا طریق کتاب ہذا میں اختصار ہے۔ اسی وجہ سے طوالت کو ترک کیا گیا۔ اللہ ہی بہتر توفیق دینے والا ہے۔

حکایات میں ملتا ہے کہ جب حضرت حسین بن منصور حلاج اپنے غلبۂ حال میں عمرو بن عثمان سے بیزار ہو کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا کس لیے آئے ہو۔ حضرت حسین بن منصور نے عرض کیا :

"فیضِ صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے آیا ہوں"

حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا :

"میرے پاس مجنونوں کی صحبت کے لیے گنجائش نہیں کیونکہ صحبت کے لیے دماغ کی صحت ضروری ہے کیونکہ جب تم مستی کی آفت کے باوجود صحبت اختیار کرو گے تو وہی انجام ہو گا جو تم نے عبداللہ تستری اور عمر کیساتھ کیا ہے۔

اُنہوں نے عرض کیا:۔

اَیُّھَا الشَّیخُ الصَّحْوُ وَ السُّکْرُ صِفَتَانِ لِلْعَبْدِ وَمَا دَامَ الْعَبْدُ مَحْجُوْبًا عَنْ رَبِّہٖ حَتّٰی فَنِیَ اَوْصَافُہٗ۔

اے شیخ صحو و سکر بندہ کی دو صفات ہیں۔ جب تک بندہ میں یہ صفات باقی ہیں وہ خود سے مجوب ہے جب تک اُس کی صفات فنا نہ ہو جائیں۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

یَا ابْنَ مَنْصُوْرٍ اَخْطَاتُ فِی الصَّحْوِ وَالسُّکْرِ۔

اے ابن منصور! تم خطا پر ہو صحو و سکر میں اختلاف نہیں ہے۔

بلکہ صحو سے مراد صحتِ حال ہے اپنے پروردگار کے ساتھ۔ اور سُکر سے مراد فرطِ شوق اور غایتِ محبّت ہے اپنے پروردگار کے ساتھ۔ اور یہ دونوں کیفیات صفت کے ماتحت اور اکتساب خلق کے ساتھ صحیح نہیں ہوتیں۔ اور اے ابن منصور! علاوہ ازیں بھی میں تیری کلام میں لہو گفتگو اور ایسی عبارات پاتا ہوں جو بے سود ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے جس کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

فرقۂ نوریہ کی حقیقت کا انکشاف:۔ فرقۂ نوریہ کا واسطہ حضرت ابوالحسن احمد بن محمّد نوری علیہ الرحمۃ سے ہے۔

آپ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے امام اور پیشوا تھے۔ آپ نور کے لقب سے معروف تھے۔ صوفیائے کرام میں آپ کا ذکر روشن مناقب اور قاطع دلائل کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ کا مسلک تصوّف میں پسندیدہ ہے۔ اور آپ کے مسلک میں فقر پر تصوّف کو فضیلت دینا ہے۔ اور باقی تمام معاملات موافق مذہب جنیدیہ کے ہیں آپ کے طریق کی نادر باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ کے نزدیک محبت میں دوسرے کو حق اور اپنے کو حق پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ آپ ایثار کے بغیر محبّت

کو حرام قرار دیتے اور فرماتے کہ درویشوں کے لیے صحبت ایک فریضہ ہے اور عزلت نشینی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ اور ایثار حق صاحب صحبت پر کرنا ہی فرض ہے۔ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اِیَّاکُمْ وَالْعُزْلَةَ فَاِنَّ الْعُزْلَةَ مَقَارِنَةُ الشَّیْطٰنِ وَعَلَیْکُمْ بِالصُّحْبَةِ فَاِنَّ فِی الصُّحْبَةِ رِضَاءُ الرَّحْمٰنِ۔

تم عزلت نشینی سے پرہیز کرو کہ خلوت نشینی شیطان کی ہم نشینی ہے اور صحبت کو اختیار کرو کہ صحبت میں اللہ سبحانہٗ کی رضا ہے۔

اب ہم ایثار کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔ اور جب عزلت و صحبت کے باب میں پہنچیں گے تو وہاں اُس کے اسرار و رموز کی تشریح بیان کریں گے۔ تاکہ عام طور پر سود مند ہو۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

ایثار کی حقیقت کا انکشاف

:۔ ارشاد ربُّ العالمین جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اس آیۂ کریمہ کا نزول خصوصی طور پر فقراء صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں ہوا ہے۔ اور ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ دوستی میں اپنے دوست کے حق کا خیال رکھے اور اپنے حصے کو اس حصے میں چھوڑ دے۔ خود تکلیف برداشت کرے مگر اپنے پیشوا اور صاحب کی راحت کا خیال رکھے۔

ایثار کی تعریف میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

لِاَنَّ الْاِیْثَارَ الْقِیَامُ بِمُعَاوِنَةِ الْاَغْیَارِ مَعَ اِسْتِعْمَالِ مَا اَمَرَهُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِهِ الْمُخْتَارِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی خُذِ الْعَفْوَ

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔

کیونکہ ایثار دوسروں کی استعانت پر قائم رہنے اور اس امر میں مشغول رہنے کا نام ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے رسولِ مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ درگذر کیجئے اور نیکی کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

یہ مسئلہ آداب صحبت کے باب میں وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔ یہاں صرف ایثار کا بیان کرنا مقصود ہے۔

ایثار دو اقسام میں منقسم ہے:۔

۱۔ پہلی قسم یہ کہ صحبت میں اس طرح جیسے کہ ذکر کیا گیا۔

۲۔ دوسری قسم محبت میں اور ایثارِ حق صاحب میں ایک گونہ رنج واندوہ بھی ہے۔ لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنے سے خوشی ہی خوشی ہے۔

ایک حکایت معروف ہے کہ جب غلام الخلیل نے صوفیائے کرام کے ساتھ اپنا عناد ظاہر کیا اور ہر ایک کے ساتھ اپنا عناد ظاہر کیا تو سرکاری ملازم حضرت نوری، حضرت رقام اور حضرت ابوحمزہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ میں لے گئے۔ غلام الخلیل بکواس کرنے لگا کہ یہ قوم زنادقہ سے ہیں۔ اگر خلیفۂ وقت ان کی سرکوبی کا حکم صادر فرمائیں تو زندیقوں کی جڑ پود کا پتہ چل جائے۔ اس لیے کہ یہ سرگروہِ زنادقہ ہیں۔ اور جس کے ہاتھ سے یہ امرِ خیر ہو جائے اُس کی حکومت اور اُس کی عزت کا میں ذمہ دار ہوں۔ خلیفۂ وقت نے اُس وقت ان حضرات کی سرکوبی کا حکم جاری کر دیا۔ جلّاد آگیا اور ان حضرات کے ہاتھ باندھ دیئے۔ جلّاد نے سب سے پہلے امام صاحب کی سرکوبی کا خیال کیا۔ حضرت نوری اپنی جگہ سے اُٹھے اور حضرت امام کی جگہ پر جلّاد کے روبرو بڑی گرم جوشی سے آکر بیٹھ گئے۔ تمام

لوگ بڑے حیران ہوئے اور جلاد نے آپ سے کہا :۔

" اے جواں مرد ! کیا تلوار بھی ایسی چیز ہے کہ اس سے قدرِ رغبت ہو ۔
جس رغبت سے تم آئے ہو حالانکہ ابھی تمھاری باری بھی نہیں آئی ۔

آپ نے جلاد کے یہ الفاظ سن کر جواباً فرمایا :۔

" ہاں ہمارے لیے تلوار ایسی ہی چیز ہے کہ میرے طریق ایثار کے ماتحت
وہ مجھے مرغوب ہو ۔ اس لیے کہ دنیا میں سب سے عزیز چیز زندگی ہے ۔
میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس ان بھائیوں کی خدمت میں قربان کر دوں
اس لیے کہ دنیا کا ایک سانس آخرت کے ہزار سال سے زیادہ عزیز ہے ۔
کیونکہ دنیا خدمت کا مقام ہے اور آخرت ثواب کا مقام ہے اور ثواب
تو خدمت کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے "

جلاد نے یہ سب باتیں خلیفہ کو پہنچا دیں ۔ خلیفہ نے اتنے بلند حوصلہ اور دقتِ سخن پر سخت تعجب کا اظہار کیا ۔ اور کسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ان کے قتل کو سرِ دست موقوف رکھو ۔ اور ابوالعباس بن علی قاضی القضاۃ کو بلا کر تینوں اصحاب کو ان کے سپرد کر دیا ۔ وہ ان حضرات کو اپنے گھر لے گئے ۔ اور شریعت و حقیقت کے احکام میں سے جو کچھ بھی اُن سے پوچھا اُس میں اُن کو درست پایا ۔ اور ان کے حال سے اپنی غفلت میں بڑے متعجب ہوئے ۔ اُس وقت حضرت نوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا :۔

" اے قاضی ! آپ نے یہ جو کچھ پوچھا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں "

فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا يَاْكُلُوْنَ بِاللّٰهِ وَيَشْرَبُوْنَ بِاللّٰهِ وَيَجْلِسُوْنَ بِاللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ بِاللّٰهِ۔

بیشک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اور گفتگو کرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے ۔

کیونکہ اُن کا قیام اُن کا قعود ، اُن کا نطق ، ان کی حرکت ، اُن کا سکون سب کچھ

اللہ ہی کے لیے ہے، اور وہ اللہ ہی کے لیے زندہ ہیں۔ اور اللہ ہی کے مشاہدہ سے پائندہ ہیں۔ کہ اگر مشاہدۂ حق ایک لمحہ کے لیے بھی اُن کے حال سے منقطع ہو جائے تو اُن کے وجود میں ایک شور برپا ہو جائے۔ قاضی آپ کے کلام کی باریکی اور حال کی صحت پر بڑا حیران ہُوا اور خلیفہ کو لکھ بھیجا کہ اگر یہ جماعت ملحدوں کی ہے تو پھر دنیا میں توحید پرست کون ہو گا۔ میں شاہد ہوں کہ اگر یہ لوگ بے دین ہیں تو پوری کائنات میں ایک شخص بھی اللہ کو ماننے والا نہیں ہے۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔ خلیفہ نے قاضی القضاۃ کا یہ محاکمہ پڑھ کر ان اصحاب کو بلا کر اُن کی خدمت میں عرض کیا:۔

"اگر کوئی ضرورت ہے تو مجھ سے طلب کرو۔"

اُن اصحاب نے خلیفہ سے کہا:۔

"اے خلیفہ! ہم تم سے صرف یہ حاجت رکھتے ہیں کہ آپ ہمیں بالکل بھول جائیں۔ نہ تو قبول کر کے ہمیں اپنے دربار کا مقرب بنائیں اور نہ ہی چھوڑ کر مطرود قرار دیں۔ کیونکہ آپ کا چھوڑ دینا ہی ہمارے نزدیک آپ کے قبول کرنے کا سبب ہے۔ اور آپ کا قبول کر لینا ہمارے نزدیک آپ کے چھوڑ دینے کے مساوی ہے۔"

خلیفہ آپ کے ان ارشادات کو سماعت کر کے رو پڑا اور انھیں نہایت عزت اور وقار کے ساتھ رخصت کر دیا۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک روز ایک مچھلی کی خواہش ہوئی۔ پورے شہر میں مچھلی تلاش کرنے کے باوجود نہ مل سکی کچھ دنوں کے بعد مجھے ایک مچھلی میسر آئی تو آپ نے مجھے اس کو بنوانے کا حکم دیا۔ میں جب انھیں بنا کر آپ کی خدمت میں لایا تو مچھلی کے لائے جانے پر آپ

کے چہرے پر میں نے خوشی کے آثار دیکھے۔ اُسی وقت ایک سائل دروازے پر آ گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ مچھلی اس سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کیا اے میرے آقا اتنے دنوں کے بعد تو یہ ملی ہے پھر اب یہ کیوں دیتے ہیں ہم سائل کو اس کی بجائے اور کوئی شے دے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

"اب اس مچھلی کا کھانا میرے لیے حرام ہے۔ میں نے اس مچھلی کو اپنے دل سے نکال دیا ہے کیونکہ میں نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص کسی شے کی خواہش کرے پھر اُس شے کی طرف سے دست بردار ہو کر نفس کی خواہش پر ترجیح دے تو اللہ تبارک تعالیٰ اُس کی بخشش ضرور فرما دیں گے"۔

ایک حکایت میں میں نے دیکھا ہے کہ دس درویش جنگل میں دورانِ سفر راستہ بھول گئے۔ انہیں بہت سخت پیاس محسوس ہوئی جبکہ اُن کے پاس پانی کا ایک ہی پیالہ تھا۔ وہ سب ایک سے دوسرے میں ایثار کرتے رہے اور کسی نے بھی پانی نہ پیا یہاں تک کہ ایک کے سوا باقی سب دنیا سے کوچ کر گئے۔ صرف ایک زندہ بچا۔ جب اُنھوں نے اپنے نو رفقاء کو لقمۂ اجل دیکھا تو وہ پانی کا پیالہ پی لیا اور سفر کرنا شروع کر دیا۔ کسی کے پاس اُنہوں نے یہ قصہ بیان کیا تو اُس نے اُسے کہا کہ بہتر تھا کہ تو بھی وہ پانی نہ پیتا۔ اُنہوں نے کہا اے عقل مند کیا حکم شرعی اتنا ہی جانتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ نو آدمیوں کے لقمۂ اجل ہو جانے کے بعد بھی اگر میں وہ پیالہ نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم بنتا اور عتابِ خداوندی میں ماخوذ ہو جاتا تو وہ کہنے لگا:۔

"آپ کے خیال میں وہ نو شخص بھی خودکشی کے مرتکب ہوئے؟"

اُنہوں نے کہا:۔

"نہیں، اس لیے کہ وہ ایثار کر رہے تھے۔ اپنی حاجت کے مقابلہ میں ایک دوسرے کو ترجیح دیتے تھے۔ حتیٰ کہ عمل پر ایثار کرتے کرتے لقمۂ اجل ہوگئے۔ پھر جب میں اکیلا رہ گیا تو اب موقع ایثار نہیں تھا اس لیے ایسے موقع پر مجھے وہ پانی کا پیالہ پینا واجب تھا۔"

جاننا چاہیئے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ شب ہجرت حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے بستر مبارک پر سو گئے۔ اور آپ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکّہ سے باہر آ گئے اور غار ثور میں تشریف لے آئے۔ اُس شب کفار مکّہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔ حضرت جبرائیل و حضرت میکائیل علیہم السلام کو حکم الٰہی ہوا کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا ہے اور دونوں کی زندگی ایک دوسرے سے طویل کر دی ہے۔ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنی زندگی کا دوسرے بھائی کے لیے ایثار کر دے اور اپنے لیے لقمۂ اجل بنے۔ دونوں نے اپنی زندگی کو موت پر ترجیح دی تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے حضرت جبرائیل و حضرت میکائیل علیہم السلام سے فرمایا:

"اے جبرائیل و میکائیل دیکھو علی کی بزرگی اور شرافت کہ وہ تم سے اَرفع و اعلیٰ ہے۔ ہم نے علی اور اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان مواخاۃ کی تھی تو علی اپنے قتل و مرگ کو قبول کر کے ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والثنار کی چارپائی پر سو گیا اور اپنی جان کو ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان کر دیا۔ اب تم دونوں جاؤ اور اس کی دشمنوں سے حفاظت کرو۔"

چنانچہ جبرائیل و میکائیل دونوں آئے اور ان میں سے ایک آپ کے سرہانے

اور دوسرا پائوں کی طرف بیٹھ گیا اور جبریل نے کہا:۔

بَخٍ بَخٍ مَن مِثلُكَ یَا اِبنَ اَبِی طَالِبَ اِنَّ اللهَ یُبَاهِیْ بِكَ عَلٰی مَلَآئِكَتِهٖ۔

اے ابو طالب کے بیٹے تمہاری مثل کون ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمام ملائکہ پر آپ کے سامنے فخر کرتے ہیں۔

اور آپ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اُسی وقت آپ کی شان میں مندرجہ ذیل آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن یَّشْتَرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔

اور بعض اللہ کے بندے وہ ہیں جو اس کی رضا جوئی میں اپنی جان بیچتے اور قربان کرتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت فرمانے والا ہے۔

اور جب جنگِ اُحد کے موقعہ حرب میں اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں پر ابتلا فرمایا۔ ایک صحابیہ انصار میں سے آئیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں ایک کٹورا پانی لے کر اس نیت سے چلی کہ مجاہدین میں سے کسی کے پاس لے جاؤں۔ میدان جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک کو میں نے دیکھا کہ زخمی حالت میں پڑے اپنے سانس گن رہے ہیں۔ اُنھوں نے اشارہ کیا کہ مجھے پانی دو۔ میں انھیں پانی دینے لگی تو دوسرے زخمی صحابی نے آواز دی کہ:۔

"مجھے پانی دو۔"

پہلے صحابی نے پانی نہ پیا اور کہا:۔

"اس کے پاس لے جاؤ۔"

اسی طرح سات حضرات کے پاس ہیں پانی لے کر گئی لیکن ہر ایک نے خود پینے کے بجائے دوسرے کی طرف بھیج دیا۔ یہاں تک کہ جب ساتویں صحابی نے مجھ سے پانی لینا چاہا تو اُن کی رُوح پرواز کر گئی۔ میں واپس لوٹی تاکہ دوسرے کو دے دُوں۔ لیکن وہ چھ صحابہ کرام بھی شہید ہو گئے۔ کہ آیۂ کریمہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پر ان شہدائے اُحد کی شان میں نازل ہوئی۔ جس میں ارشادِ ربانی ہے:۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ
وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے چار سو سال عبادت کی تھی۔ ایک روز اللہ کی بارگاہ میں عرض پرداز ہوا۔ اے اللہ العالمین اگر تو ان کوہساروں کو پیدا نہ فرماتا تو تیرے بندوں کو چلنے اور سفر میں سہولت رہتی۔ فوراً پیغمبر وقت پر وحی کا نزول ہوا کہ اس عابد سے کہہ دیجئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تو نے بندہ ہو کر ہماری ملک میں تصرف کیا لہٰذا ہم نے تیرا نام دیوانِ سعدا سے نکال دیا اور اشقیاء کی فہرست میں تیرا نام درج کر دیا۔ یہ سُن کر اُس عابد کے دل میں مسرت پیدا ہوئی اور اللہ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ پیغمبر وقت نے فرمایا:۔

"اے نادان بدبختی پر سجدۂ شکر تو ادا نہیں کرتے۔"

اس نے جواب دیا:۔

"میرا شکر بدبختی پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ میرا نام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دفاتر میں سے کسی دفتر میں تو ہے۔"

اب میں ایک آرزو رکھتا ہوں وہ آپ اپنے پروردگار کے دربار میں عرض کر دیں آپ نے فرمایا:۔

"وہ کونسی آرزو ہے۔"

عابد نے عرض کیا:۔

"وہ یہ عرض ہے کہ جب مجھے دوزخ میں ڈالا جائے تو مجھے اس قدر عظیم الجثہ اور عریض وطویل کر کے ڈالا جائے کہ تمام موحّدین کی جگہ مجھ سے بھر جائے تاکہ میرے ایک کے دوزخ میں جانے سے اتنا فائدہ تو ہو کہ باقی تمام توحید پرست جنّت میں چلے جائیں۔"

بارگاہِ خداوندی سے ارشاد ہوا:۔

"اسے خوشخبری دو کہ یہ ابتلاو امتحان تیرے ذلیل کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ تیرے ایثار و اخلاص کے ظاہر فرمانے کے لیے تھا اب یہ تیرا منصب ہے کہ محشر کے روز تو جس کی شفاعت کرے گا وہ سب تیرے ساتھ جنّت میں ہوں گے۔"

حضرت احمد حماد سرخسی علیہ الرحمۃ سے میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضرت آپ کی توبہ کی ابتداء کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے اُونٹ لے کر سرخس سے باہر جنگل کی طرف چلا گیا اور ایک عرصہ تک وہیں رہا۔ اور اس بات کو دائمی طور پر پسند کرتا تھا کہ خود بھوکا رہ جاؤں اور اپنا حصّہ کسی دوسرے کو دے دوں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ:۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

ہر وقت میرے دل میں تازہ رہتا تھا۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ میرا بڑا اعتقاد تھا۔ ایک دن ایک بھوکا شیر جنگل سے ظاہر ہُوا اور میرے اُونٹوں میں سے ایک اُونٹ کو مار ڈالا اور بلندی پر بیٹھ کر چنگھاڑنے لگا۔ اس کے نزدیک بہت سے جنگل

جتنے درندے اُس کی آواز سُنتے گئے اس کے گرد جمع ہوتے چلے گئے وہ آیا اور ساونٹ کو پھاڑ ڈالا۔ خود کچھ نہ کھایا اور بلندی پر چڑھ گیا۔ وہ درندے لومڑی، گیدڑ، بھیڑیے اور اسی طرح دوسرے جانوروں نے اُس کو کھانا شروع کیا اور خود وہیں کھڑا رہا تاآنکہ وہ سب واپس لوٹ گئے۔ اس وقت اُس نے ارادہ کیا تاکہ تھوڑا سا خود بھی کھالے کہ ایک لنگڑی لومڑی دُور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ شیر واپس لوٹ کر بلندی پر چڑھ گیا حتیٰ کہ وہ لومڑی اس میں سے جو کچھ کھا سکتی تھی کھا کر واپس چلی گئی تو اب شیر آیا اور اس میں سے تھوڑا سا کھا لیا۔ میں دُور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ شیر نے واپس جاتے ہوئے بزبانِ فصیح مجھے کہا اے احمد ایک لقمے کا ایثار تو کتے بھی کر لیتے ہیں۔ اور مردانِ خدا جان اور زندگی کا ایثار کرتے ہیں۔ بس یہ سُنتے ہی مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ فوری طور پر میں نے تمام دین و دنیا کے اشغال سے منہ موڑ لیا۔ میری توبہ کا آغاز یہ ہے۔

حضرت ابو جعفر خلدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ اپنی تنہائی کی جگہ مناجات میں مشغول تھے۔ میں چھپتے چھپاتے گیا تاکہ اُن کی فصیح و بلیغ مناجات سنوں۔ آپ فرمارہے تھے:۔

"اے اللہ العالمین! آپ دوزخ والوں کو عذاب دیں گے حالانکہ وہ سب علم، قدرت اور آپ کے قدیم ارادے سے آپ کے اپنے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ دوزخ کو انسانوں سے ضرور ہی بھرنا چاہتے ہیں تو آپ اس پر بھی قادر ہیں کہ دوزخ اور اس کے تمام طبقات کو صرف میرے وجود سے ہی پُر کر دیں اور اُن کو جنت میں بھیج دیں۔"

حضرت جعفر کا کہنا ہے کہ میں اُن کے معاملے میں بڑا پریشان ہوا۔ کچھ دنوں بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آنے والا آیا اور کہنے لگا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ابوالحسن کو کہہ دو کہ ہیں نے تمھیں اُس شفقت و تعظیم کے سبب بخش دیا ہے

جو میرے اور میرے بندوں کے ساتھ ہے۔ آپ کو نوری اس لیے کہتے ہیں کہ جب آپ کسی اندھیرے مکان میں گفتگو کرتے تو آپ کے باطنی نور سے وہ مکان جگمگا اُٹھتا تھا۔ نیز آپ نورِ خداوندی سے اپنے مریدین کے راز جان لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے:۔

"ابوالحسن دلوں کے جاسوس ہیں"۔

یہ آپ کے مذہب کی خصوصیت ہے اور اہلِ بصیرت کے نزدیک یہ بہت بڑی مضبوط بنیاد اور پُر عظمت معاملہ ہے اور آدمی پر اس سے زیادہ سخت چیز کوئی نہیں کہ وہ اپنی رُوح کو دوسرے کے لیے خرچ کر دے اور اپنی پسند کی ہوئی چیز سے دست کش ہو جائے۔ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے بھی تمام نیکیوں کی کلید اپنی پسند کی ہوئی چیز کو خرچ کر دینے کو ہی قرار دیا ہے۔

ارشادِ رب العالمین جل مجدہ الکریم ہے:۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ تم اُس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہِ حق میں خرچ نہ کرو۔

اور جب کوئی اپنی رُوح اور جان کو اُس کی راہ میں مبذول کرنا گوارا کر لے تو اُسے مال و حال و فرقہ و لقمہ کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اور اس طریقہ کا اصلی اصول یہی ہے۔ جیسا کہ ایک آدمی حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا اے بیٹا! تصوف اپنی جان کو خرچ کرنے کے سوا کچھ نہیں اگر تو یہ کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ صوفیوں کی لغو باتوں میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ جان خرچ کرنے کے علاوہ جو کچھ بھی ہے سب کچھ لغو ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انھیں مردہ خیال مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انھیں مردہ نہ ہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

پس یہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور انہوں نے اپنی جان قربان کر کے قرب خداوندی میں اپنی دائمی زندگی حاصل کی۔ اور ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق اولیاء اللہ کے لیے اپنا حصہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن ایثار و اختیار ردیت و معرفت میں اختلاف ہے۔ اور صوفیائے کرام کے ہاں حقیقتِ ایثار اپنے نصیب کا ترک کر دینا ہی حقیقی نصیب ہے۔ اس لیے کہ جب تک طالب کی روش کسب کے ساتھ رہتی ہے تمام کی تمام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی کشش اپنی ولایت کا ظہور کرتی ہے تو اس کے احوال اور اس کے افعال سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے لیے نہ کوئی عبارت رہتی ہے اور نہ ہی اس کے معاملہ کے لیے کوئی نام باقی رہتا ہے کہ کوئی اس کا نام رکھے یا کسی عبارت سے اسے تعبیر کرے یا کسی چیز سے اس کی مثال دی جائے۔ اس حقیقت کو حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کتنے اچھوتے انداز میں واضح کیا ہے،

غِبْتَ عَنِّيْ فَمَا اُحِسُّ بِنَفْسِيْ
وَتَلَاشَتْ بِهٖ صِفَاتِيَ الْمَوْصُوْفَةُ
فَاَنَا الْيَوْمَ غَائِبٌ عَنْ جَمِيْعٍ
لَيْسَ اِلَّا الْعِبَادَةُ الْمَلْهُوْفَهْ

جب تو مجھ سے غائب ہُوا تو ایسا بیہوش ہُوا کہ میں خود کو نہیں پہچانتا
اور میری موصوفہ صفات نے اُس کی تلاش کی تو آج کے روز سب سے
ایسا غائب ہوں کہ پریشان عبارت کے بجز کچھ نہیں رہا۔

فرقہ سہیلیہ کی حقیقت کا انکشاف :-

یاد رہے کہ فرقہ سہیلیہ کا واسطہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمۃ سے ہے جو اہلِ تصوّف کے عظیم الشان بزرگوں میں سے تھے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ غرض کہ اپنے وقت کے سلطان اور اربابِ حل وعقد طریقت تھے۔ آپ کی دلیلیں بہت ظاہر ہیں کہ آپ کی حکایات کے ادراک سے عقل عاجز آجاتی ہے۔ اور آپ کا طریقۂ اجتہاد و مجاہدہ نفس و ریاضت ہے۔ اور آپ اپنے مریدین کو مجاہدہ میں کمال درجہ پہنچا چکے ہیں۔

ایک حکایت جو مشہور و معروف ہے کہ آپ نے ایک مرید سے فرمایا کہ جد و جہد کر یہاں تک کہ ایک دن مکمل دن تو یا اللہ یا اللہ یا اللہ کہتا رہے۔ اسی طرح دوسرے روز اور پھر اسی طرح تیسرے روز بھی ایسے ہی ورد کرتا رہے۔ اُس مرید نے آپ کی ہدایت کے مطابق اسی طرح کیا یہاں تک کہ اس طرح ہو گیا کہ اگر خود کو خواب میں دیکھتا پھر بھی یہی ورد کرتا۔ اب حکم یہ ہُوا کہ ذکر لسان سے لَوٹ کر ذکرِ قلبی میں جا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ ذکر اتنا غالب آیا کہ ایک دن وہ اپنے گھر میں تھا کہ ہوا سے لکڑی گری اور اُس کا سر پھوڑ دیا۔ تو جو قطراتِ خون چکیدہ ہوئے تو ان سے بھی اللہ اللہ منقش ہو گیا۔ مجاہدات و ریاضت کے ذریعہ مریدین کی تربیت سہلیوں کا طریقہ ہے۔ جب کہ درویشوں کی خدمت اور اُن کی تعظیم حمدونیوں کا طریقہ ہے۔ اور باطنی مراقبہ جنیدیوں کا طریقہ ہے۔ تاہم مجاہدہ و ریاضت ہر شخص کیلئے سود مند نہیں ہوتا۔ اب ہم حقیقت نفس اور اُس کی تعریف بیان کریں گے تا کہ

تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد مجاہدات کے بارے میں صوفیا کرام کے مذاہب اور اُن کے احکام تحریر کروں گا۔ تاکہ طالب معرفت پر یہ دونوں چیزیں ظاہر ہو جائیں۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

ہوا کے معنی اور نفس کی حقیقت کا انکشاف :-

جاننا چاہیئے کہ نفس کے لغوی معنیٰ وجود اور شے کے ہیں۔ یا حقیقت و ذات کے معنی میں مروّج ہے۔ لیکن عام عادات اور لوگوں کی عبارات میں یہ کئی معانی کا محتمل ہے جو اُسے متضاد معانی ہیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ پھر باعتبار عرف ایک گروہ رُوح کے معانی لیتا ہے ایک گروہ کے نزدیک مروت کے معنیٰ میں نفس آتا ہے۔ ایک گروہ جسم کے معنیٰ لیتا ہے ایک گروہ خون کے معنیٰ لیتا ہے۔ لیکن اہلِ تحقیق صوفیاء کے نزدیک مذکورہ معنیٰ سے کوئی معنیٰ نفس کے صحیح نہیں بلکہ ان کی تحقیق نفس کے بارے میں ہے۔ اس اَمر پہ قوم سب کا اتفاق ہے کہ نفس منبع شر اور قائد سود کا نام ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ جسم کے اندر زندگی کی طرح ایک صفت ہے۔ تاہم وہ متفق ہیں کہ بُرے اخلاق کا اظہار اس سے ہوتا ہے اور یہی قابلِ مذمت افعال کا سبب بنتا ہے۔ اور یہ دو اقسام میں منقسم ہے :-

۱۔ پہلی قسم یہ کہ گناہوں کا سرزد ہونا۔

۲۔ دوسری قسم اخلاقِ ذمیمہ مثلاً تکبر، حسد، بغض، غصہ، کینہ۔

اور دوسرے وہ افعال جو شریعت و عقل دونوں کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ پس ان اوصاف کو ریاضت کے ذریعہ اپنے آپ سے اسی طرح دفع کیا جاتا ہے جیسا کہ گناہ گار کو اخلاقِ ذمیمہ باطنی اوصاف سے اور ریاضت ظاہری افعال میں سے ہے اور توبہ افعال میں سے۔ چنانچہ باطن میں جو اوصاف بد پیدا ہوتے

ہیں اور ظاہری روش اوصاف سے پاک ہوجاتے ہیں۔ اور جو ظاہر میں جلوہ گر ہوں باطنی اوصافِ پسندیدہ سے دُور ہوجاتے ہیں۔ نفس و رُوح دونوں لطیفہ ہیں جو قالب انسانی میں موجود ہیں۔ جس طرح کہ دنیا میں شیاطین اور فرشتے اور جنّت و دوزخ۔ ان میں ایک محل خیر ہے اور دوسرا محل شر ہے۔ جس طرح آنکھ محل نظر ہے اور کان سننے کا محل ہے اور زبان ذائقہ حاصل کرنے کا محل ہے اور مثل اُس کے تمام اعیان اور بہت سے اوصاف ایسے ہیں جو انسانی قالب میں ودیعت کئے گئے ہیں چنانچہ نفس کی مخالفت میں تمام عبادات کا راز ہے۔ اور کمالِ مجاہدہ بھی اسی مخالفتِ نفس کے لیے ہے اور بندہ بجز مخالفتِ نفس واصل الی اللہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ نفس کی موافقت ہلاکتِ انسان ہے اور مخالفتِ نفس میں بندہ کی نجات ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے نفس کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے اور اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو اس کی مخالفت میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی موافقت میں چلتے ہیں ان کی مذمّت کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

اور جس نے نفس کو خواہشات سے روکا۔ پس وہ جنت میں چلا گیا۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

کیا پس جب تمہارے پاس رسول تمہاری خواہشاتِ نفسانی کے خلاف حکم لائے جنہیں تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے تو تم نے تکبّر کیا۔

اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف صدیق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے خبر دی کہ:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس تو بلاشبہ برائی کا حکم دینے والا ہے سوائے اس کے کہ میرا رب تعالیٰ رحم فرمائے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے :۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ

جب اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا قصد فرماتا ہے تو اسے چشم بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کے عیبوں کو دیکھتا ہے۔

اور آثار میں آیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی فرمائی اور فرمایا :۔

یَا دَاؤُدُ عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّ وُدِّیْ فِیْ عَدَاوَتِهَا۔

اے داؤد! اپنے نفس کے ساتھ دشمنی کر کیونکہ میری محبت نفس کی دشمنی میں ہے۔

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ تمام اوصاف ہیں اور لامحالہ حقیقت کے لیے موصوف لازمی ہے تاکہ وہ صفت اس کے ساتھ قائم ہو۔ اس لیے کہ صفت قائم بالذات نہیں ہوسکتی اور معرفت بغیر علم و شناختِ قلب حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور جسم کی شناخت کا طریقہ یہ ہے کہ انسانیت کے اوصاف اور اس کے راز دل کا انکشاف کیا جائے۔ انسانیت کی حقیقت میں لوگوں نے کلام کی ہے کہ انسانیت کسے کہتے ہیں۔ اور یہ کس چیز کے لیے زیبا ہے اور اس کا علم تمام حق کو تلاش کرنے والوں کے لیے فرض ہے کہ جو کوئی خود سے جاہل ہے وہ غیر کی حقیقت سے زیادہ جاہل ہے۔

اور جبکہ بندہ معرفت الٰہی اور معرفت خود کے لیے مکلف ہے تاکہ اپنے حدوث اور ذات واجب الوجود تبارک وتعالیٰ کے قدیم کو جانے اور اپنی فنا اور ذاتِ حق کی بقا کو سمجھے۔ اور کتاب اللہ صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ، تبارک وتعالیٰ نے اپنے آپ سے جاہل ہونا ہی کفار کی صفت بیان کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔

اور ملتِ ابراہیمی سے وہی شخص سرکشی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے جاہل ہو۔

مشائخ کرام میں سے ایک شیخ کا فرمان عالی شان ہے:۔

مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ بِالْغَیْرِ اَجْهَلُ۔

جو اپنے نفس کے ساتھ جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ اَیْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَآءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَآءِ وَیُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزِّ وَیُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِیَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرَّبُوْبِیَّةِ۔

جس نے اپنے نفس کو فنا سے پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچانا۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچانا۔ اور کہتے ہیں کہ جس نے خود کو ذلّت سے پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کو عزّت سے پہچانا۔ اور بعضوں کا کہنا ہے کہ جس نے اپنی ذات کو عبودیت سے پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کی ربوبیت کی معرفت حاصل کر لی۔

پس جو شخص خود کو نہیں پہچانتا وہ تمام اشیاء کی معرفت سے محروم رہتا ہے

ان تمام تشریحات سے مراد انسان کی پہچان ہے اور اس حقیقت میں اہلِ تحقیق کے اختلافات پر بکثرت اقوال ہیں :۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان کی حقیقت رُوح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ جسم تو صرف اُس رُوح کے راہ و مکان ہیں یا اس میں آرام کرنے کی جگہ تاکہ اس جسم میں رہ کر طبیعت کی خرابی سے محفوظ رہے۔ اور حس و عقل یہ رُوح کی صفات ہیں۔ مگر یہ تعریف سراسر مٹ جانے والی ہے۔ اس لیے کہ جب اس جسم سے جان جُدا ہو جاتی ہے پھر بھی اسے انسان ہی کہا جاتا ہے۔ اور یہ نام مردہ آدمی سے اُٹھایا نہیں جاتا۔ بلکہ جب اس میں جان ہوتی ہے تو اسے زندہ انسان کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جب بے جان ہو جاتا ہے تو وہ انسان مردہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ جان تو ایک حیوان میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس کو انسان کے نام سے نکال دیا جاتا ہے۔ اگر انسانیت کی علت صرف رُوح ہی ہے تو پھر تو جہاں بھی جان ہو اُس پر انسانیت کا حکم موجود ہونا چاہیئے۔ وہاں ہی اطلاق اسم انسان صحیح ہوتا تو ثابت ہوا کہ مذکورہ قول سراسر باطل ہے۔

دوسرا اگروہ کہتا ہے کہ انسان روح و بدن پر یکجا واقع ہوتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے تو یہ نام ساقط ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گھوڑے پر دو رنگ مجتمع ہوں۔ ایک سیاہ ہو اور ایک سفید ہو تو اُسے ابلق کا نام دیا جاتا ہے اور اگر صرف سفید رنگ ہو تو سفید کہتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کریم کے حکم کے تحت بالکل باطل ہے۔ ارشاد رب العالمین جل مجدہ الکریم ہے :۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا

'کیا انسان پر وہ وقت آیا ہے کہ جب وہ کوئی شے مذکور نہ تھا حالانکہ انسان بے جان مٹی کو انسان کہا گیا۔ جب کہ اس کے جسم کے ساتھ ابھی تک

جان کا تعلق نہیں ہوا تھا۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ انسان ایک جزو لا یتجزیٰ ہے اور اس کا مقام دل ہے اور یہی قاعدۂ اوصاف انسانی ہے حالانکہ یہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان کو مار ڈالیں اور اس کے اندر سے دل نکال لیں تو انسان اس وجہ سے نام سے خارج نہیں ہوتا اور رُوح سے قبل بالاتفاق محققین قالبِ انسان میں دل میں نہیں ہوتا۔

چوتھا گروہ مدعیانِ تصوّف کے ایک گروہ کو اس کے معانی میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ اُن کا قول ہے کہ خورد و نوش والی اور محلِ تغیر ذات انسان نہیں بلکہ وہ ایک اللہ سبحانہٗ کا رازانہ ہے۔ اور یہ جسم اُس کا لباس ہے اور وہ طبیعت کے امتزاج اور جسم و روح کے اتحاد میں ودیعت کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تمام اہلِ عقل، دیوانوں، کافروں، فاسقوں، جاہلوں کو متفقہ طور پر انسان ہی کہا جاتا ہے اور ان کے اندر اللہ سبحانہٗ کے رازوں میں سے کوئی چیز بھی موجود نہیں۔ اور تمام تغیر پذیر اور کھانے پینے والے ہیں۔ اور کسی شخص کے جسم و وجود میں کوئی ایسے معنی نہیں جن کو انسان کہا جائے اور اس کے معدوم ہو جانے کے بعد بھی کوئی ایسے معنی نہیں جن کو انسان کہا جا سکے۔ بلکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انسان اس مجموعہ کا نام رکھا جس سے انسان مرکب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔

اور بیشک ہم نے انسان کو گندھی ہوئی صاف مٹی سے پیدا کیا۔ پھر

کیا ہم نے اس میں قطرۂ منی کو ایک خاص جگہ ٹھہرنے والا۔ پھر کیا ہم نے
نطفہ کو جما ہُوا خون۔ پھر بنایا ہم نے جمے ہوئے خون کو مضغۂ گوشت۔
پھر بنائے ہم نے مضغہ سے ہڈیاں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پہ گوشت چڑھایا
پھر نشوونما فرمائی۔ ہم نے دوسری پیدائش میں تو بڑی برکت والا ہے۔
سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے"۔

پس اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کہ وہ اصدق الصادقین ہے۔ پاک مٹی سے بننے والی یہ مخصوص صورت تمام تغیرات کے ساتھ انسان ہے جیسا کہ اہلِ سنت کے ایک گروہ کا قول ہے کہ انسان اُس جاندار کا نام ہے کہ اس کی صورت اس طرح موجود ہے کہ موت بھی اس نام کو اس سے نفی نہ کرے جب تک یہ صورتِ معہودہ ظاہر و باطن کے ساتھ موسوم ہو۔ صورتِ معہود سے مراد ظاہر میں تندرست اور بیمار ہونا اور باطن میں مجنوں اور عقلمند سے موسوم ہونا ہے۔ غرضکہ بالاتفاق عقلاً انسان جس قدر صحت کی طرف ہو گا۔ کامل تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور مخلوق میں یہ سب سے کامل ہے۔ اب یہ جان لینا ضروری ہے کہ ترکیبِ انسانی جو کامل تر ہوتی ہے وہ اہلِ تحقیق کے نزدیک تین معانی سے ہوتی ہے:۔

۱۔ پہلا معنیٰ رُوح ہے۔

۲۔ دوسرا معنیٰ نفس ہے۔

۳۔ تیسرا معنیٰ جسم ہے۔

اور اس کے ہر عین میں ایک صفت ہوتی ہے جو اس عین کے ساتھ قائم ہے چنانچہ رُوح کے لیے عقل اور نفس کے لیے ہوا اور بدن کے لیے حس ہے۔ اور انسان دنیا کا نمونہ ہے۔ اور عالم دونوں جہان کا نام ہے۔ اور دونوں جہان کے نشانات کا مجموعہ انسان ہے۔ اس جہان کے نشان تو انسان میں پانی۔ خاک۔

ہوا۔ آگ ہے۔ اور ان کی ترکیب بلغم، خون، صفرا، سودا سے ہے۔ اور اس عالم کی علامات جنّت و دوزخ اور محشر کے عرصات ہیں۔ تو جان بہشت کی بجائے اپنی لطافت سے بنتی ہے۔ اور دوزخ کی بجائے نفس و آفات اور وحشت کی وجہ سے۔ جنّت نفس اپنی آفت و وحشت کی وجہ سے دوزخ اور میدان محشر کی جگہ ہے۔ اور ان دونوں کا جمال غضب اور باہمی اُنس و محبت سے ہے۔ پس جنّت اس کی خوشنودی کی تاثیر ہے اور دوزخ اُس کی ناراضی کا نتیجہ ہے۔ اور اس کا نفس حق تعالیٰ سے حجاب و گمراہی سے ہے۔ اور اہل ایمان محشر میں جب تک جہنم سے نجات پاکر جنت میں نہیں پہنچیں گے اور رویت کی حقیقت نہیں پائے گا اُس وقت یقیناً قربِ خداوندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح بندہ دنیا میں جب تک نفس سے خلاصی پاکر قربِ خداوندی حاصل نہیں کرتا کہ جس کی بنیاد وہ رُوح ہے۔ یقیناً قرب اور معرفتِ خداوندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ جو دنیا میں اس ذات کو پہچان لے گا وہ اغیار سے اعراض کرے گا اور جادق حق پر قائم ہوگا۔ تو محشر کے روز جہنم اور پلصراط کو دیکھے گا۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ روحِ مومن وہ ہے جسے جنّت پکارتی اور بلاتی ہے اس لیے وہ دنیا میں جنّت کا نمونہ تھا۔ اور نفس وہ ہے جو کامل مدبّر عقل ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جس کی قائد حرص و ہوائے ناقص ہے۔ وہ ایک یعنی عقل کی تدبیر حق ہے اور یہ ایک یعنی خواہش کی تدبیر خطا ہے۔ پس بارگاہِ ایزدی کے طالبین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دائمی طور پر اُس نفس کی مخالفت پر تیار رہیں تاکہ اُس کی مخالفت سے رُوح و عقل کو مدد ملتی رہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ اور اُسی کی عطا سے سب کچھ ہے وہ عطا کرتا ہے، وہی سلب کر لیتا ہے۔

مشائخ کرام نے نفس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ یہ کہ حضرت ذوالنون مصری

فصل :۔ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے :۔

اَشَدُّ الْحِجَابِ رُؤْیَۃُ النَّفْسِ وَتَدْبِیْرِھَا۔ — بندہ کا سخت ترین حجاب نفس کا دیکھنا ہے۔

اور ان کی تدبیر کا اتباع اس لیے کہ مطابقتِ نفس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخالفت ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخالفت تمام حجابات کا سرچشمہ ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان عالی شان ہے :۔

اَلنَّفْسُ صِفَۃٌ لَا تَسْکُنُ اِلَّا بِالْبَاطِلِ۔ — نفس ایک ایسی صفت ہے جسے باطل پرستی کے بغیر سکون نہیں۔

اور وہ ہرگز راہِ حق کو اختیار نہیں کرتا۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے :۔

تُرِیْدُ اَنْ تَعْرِفَ الْحَقَّ مَعَ بَقَآءِ نَفْسِکَ فِیْکَ وَنَفْسُکَ لَا تَعْرِفُ نَفْسَھَا فَکَیْفَ تَعْرِفُ غَیْرَھَا۔ — اگر تو چاہتا ہے کہ معرفتِ خداوندی حاصل کرے اور تیرا نفس تیرے اندر موجود بھی ہو۔ حالانکہ تیرا نفس تو اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتا تو پھر تو اپنے غیر کو کس طرح پہچانے گا۔

یعنی جب کہ تیرا نفس باقی ہے تجھے خود بخود محجوب رکھے گا اور جب تو محجوب ہو گا تو کشفِ جمال کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے :۔

اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُکَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِکَ۔ — تیرا قیام کفر کی جڑ ہے۔ مراد و مقصودِ نفس پر۔

اس لیے کہ نفس کو لطیفۂ اسلام سے مقارنت نہیں تو لامحالہ نفس ہمیشہ اعراضِ اسلام پر کوشاں رہے گا۔ اور معترض منکر ہوتا ہے اور جو منکر ہوتا ہے وہ اپنا نہیں ہوتا وہ بیگانہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلنَّفْسُ خَائِنَةٌ بِالْاُلْفَةِ مَانِعَةٌ مِنَ الرِّضَاءِ وَاَفْضَلُ الْاَعْمَالِ خِلَافُهَا۔

نفس امانت میں خیانت کرنے والا اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کی تلاش سے روکنے والا ہے۔ اور اس کی مخالفت کرنا افضل عمل ہے۔

اس لیے کہ امانت میں خیانت کرنا بیگانگی ہے اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کی رضا کا ترک کر دینا گمراہی ہے۔

نفس کے متعلق مشائخ کے فرمان عالی شان بکثرت ہیں۔ کہ اُن تمام کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا میں اپنے مقصودِ حقیقی کی طرف آتے ہوئے نفس کے مجاہدات کی صحت اور اس کی ریاضت کے بارے میں سہلیہ کا مسلک بیان کرتا ہوں اور اور ان کا طریقہ بھی بیان کرتا ہوں۔

مجاہدۂ نفس کی حقیقت کا انکشاف:۔ ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

اور وہ لوگ جو ہمارے بارے میں سعی کرتے ہیں۔ ہم اُن کو اپنے راستے کی راہنمائی فرما دیتے ہیں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَہٗ فِی اللّٰہِ۔

جو اللہ کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کرے وہ مجاہد ہے۔

پھر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ مُجَاهِدَةُ النَّفْسِ۔

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ وہ جہادِ اکبر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نفس کے ساتھ مجاہدہ ہے۔

حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات نے نفس کے مجاہدہ کو جہاد پر فضیلت دی ہے۔ اس لیے کہ اس کی تکلیف زیادہ ہے۔ اور وہ خواہشِ نفسانیہ کو دفع کرنا ہے۔ اور نفس کا جہاد یہ ہے کہ نفس کو مغلوب کیا جائے۔ پس جاننا چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ تمھیں عزت عطا فرمائے کہ نفس کا مجاہدہ اور اُس کو مغلوب کیے رکھنا نہایت ظاہر اور واضح ہے کہ ہر دین وملت کے لوگوں میں یہ نہایت پسندیدہ فعل ہے اور صاحبِ طریقت اس کی رعایت رکھنے میں خاص ہیں۔ اور صوفیاء عوام وخواص مجاہدہ نفس کو خاص طور پر لازم جانتے ہیں۔ اور مشائخ کے اس معاملے میں رموز وکلمات بکثرت ہیں۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمۃ اس مجاہدۂ نفس کو اصل اصولِ تصوّف قرار دیتے ہیں اور اس میں خاص مبالغہ فرماتے ہیں۔ اور ان کے دلائل مجاہدہ بکثرت ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل علیہ الرحمۃ کی عادت تھی کہ پندرہ دنوں کے بعد ایک دفعہ آپ کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور اسی تھوڑی سی غذا پر لمبی عمر بسر کر دی۔ یوں تو تمام اہلِ تحقیق نے مجاہدے کو ثابت کیا ہے اور اس کو مشاہدہ کے اسباب میں شمار کیا ہے۔ حضرت سہل ایسی حیاتِ دنیوی کو جو طلبِ مشاہدہ میں ہو اُس حیاتِ اُخروی پر جو جزائے عمل کے لیے ہے اس میں بڑی تاثیر بیان کی ہے۔ اور آپ حصول مراد

کی خاطر دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر فضیلت دیتے اور فرمایا کرتے کہ:

"آخرت کی زندگی تو اس دنیا کی زندگی کا ہی پھل ہے کہ جب اس دنیا میں خدمت کرو گے تو عقبیٰ میں اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کا قرب حاصل کرو گے اور بلا عمل اُس کی قربت حاصل نہیں ہو سکتی۔"

اس لیے ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ تک وصول کی علت بندے کا وہ مجاہدہ ہو جو وہ اُس کی توفیق سے کرتا ہے۔

اکابرین کا فرمان عالی شان ہے:

اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهَدَاتِ۔ مجاہدات کی میراث مشاہدات ہے۔

اور دوسرے کا کہنا ہے کہ مجاہدہ وصول الی الحق ہے۔ اس لیے کہ یہ تقرب اللہ سبحانہ، کی عطا سے ہے۔ اور عطائے خداوندی کو کسی عمل اور مجاہدہ سے واسطہ نہیں۔ پس مجاہدات نفس کی درستی کے لیے ہیں۔ حقیقتِ قرب کے لیے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ مجاہدے کا رجوع بندے کی جانب ہوتا ہے جبکہ مشاہدے کا واسطہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ مجاہدہ کا سبب بننا مشاہدہ کے لیے محال ہے۔ یا مجاہدہ آلۂ مشاہدہ بنے یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت سہل علیہ الرحمۃ نے اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے مندرجہ بالا آیۂ کریمہ پیش کی ہے:

فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو کوئی مجاہدہ کرتا ہے مشاہدہ پالیتا ہے۔

اور نیز تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت، اثباتِ شریعت، کتب کا نازل ہونا اور تکلیف کے تمام احکام مجاہدہ ہیں۔ اگر مجاہدہ مشاہدہ کے لیے علت نہ ہوتا تو ان تمام کا حکم باطل ہو جاتا۔ اور یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ دین اور احوالِ عاقبت اور اس کے تمام احکام کسی علت کے ماتحت ہیں جو علل احکام کی نفی

کرتا ہے۔ اس سے شرع اور رسوم سب اُٹھ جاتی ہیں۔ تو حقیقت میں مکلّف باحکام ہونے کا ثبوت ہوگا نہ کہ فرع میں۔ کھانا شکم سیری کے لیے اور کپڑا سردی سے بچنے کے لیے علت ہے۔ اور یہ علت کی نفی تو تمام اُمور کو معطّل کر دینے کا سبب ہے۔ پس افعال میں اسباب کا لحاظ رکھنا توحید ہے اور اس کا ردّ کر دینا تمام اُمور کو معطّل کر دیتا ہے۔ اور مشاہدہ کے اندر اس قسم کے دلائل موجود ہیں۔ اور مشاہدہ کا انکار تو واضح مکابرہ ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ سرکش گھوڑے کو ریاضت کرا کر اس کی بہیمیّت دُور کر دی جاتی ہے۔ ریاضت کے بعد وہی سرکش گھوڑا آدمی کی صفات حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کی حیوانی و بہیمی صفات انسانیّت سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ زمین سے چابک کو اٹھا کر اپنے مالک کو دے دیتا ہے اور گیند کو اپنے ہاتھ سے چکر دے دیتا ہے۔ اور اسی طرح بے عقل عجمی لڑکے کو ریاضت کے ذریعہ عربی زبان سکھا دیتے ہیں اور اس طرح اس کا طبعی نطق اس کے اندر تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایک وحشی جانور ریاضت کے بعد اتنا سدھا لیا جاتا ہے اور جب اسے چھوڑ چلا جائے اور جب بلایا جائے فوراً آجائے۔ یہاں تک کہ اُسے وہ آزادی جو پہلے تھی۔ اب ریاضت کے بعد اس سے زیادہ قید پسند ہو جاتی ہے۔ اور ایک ناپاک کتّے کو ریاضت کے ذریعہ اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ اس کا مارا ہُوا شکار حلال ہو جاتا ہے۔ جبکہ مجاہدہ اور ریاضت حاصل نہ کرنے والے آدمی کا مارا ہوا بھی حرام ہو جاتا ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ شرع اور رسم کا مدار بھی ریاضت و مجاہدہ پر ہے۔ پھر حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حصولِ قرب اور وصلِ مطلوب کے باوجود اور عاقبت کی طرف سے بے فکر کیے جانے کے اور عصمت و پاک دامنی محقق ہوتے ہوئے تمام دن کی عبادات اور شب بھر کی شب زندہ داریاں اس قدر زیادہ کیں جو مجاہدہ سے بھی آگے بڑھ گئیں یہاں تک کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:۔

طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۔ یارسول اللہ ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ کو اس قدر مشقت میں ڈال دیں۔

یہاں تک کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ :

"حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی تعمیر کرتے وقت خود اینٹیں اُٹھاتے تھے ۔ اور میں دیکھتا تھا کہ آپ کس قدر تکلیف میں ہیں ۔ تو میں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یارسول اللہ وہ اینٹیں مجھے دے دیجئے اس لیے کہ آپ کی جگہ میں یہ کام کروں ۔ تو آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم دوسری اینٹیں اُٹھالو کیونکہ بہتر زندگی تو عقبیٰ کی زندگی ہے ۔"

یعنی سکون و راحت تو عقبیٰ میں میسّر ہو گی ۔ اور یہ دنیا رنج و مشقت اُٹھانے کی جگہ ہے ۔

حضرت حیان بن خارجہ مکی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا یا حضرت غزوہ کیا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا :

اَبْدَاْ بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَاْ بِنَفْسِكَ فَاغْزُهَا فَاِنَّكَ اِنْ قُتِلْتَ فَارًّا بَعَثَكَ اللّٰهُ فَارًّا وَاِنْ قُتِلْتَ مُرَائِيًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا وَاِنْ قُتِلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا ۔

اپنے نفس سے جہاد کی ابتداء کر اور غزوہ کا آغاز بھی اپنے نفس سے کر کہ اگر تو بھاگتا ہوا قتل کیا جائے گا تو بروز محشر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تجھے بھاگتا

ہوا ہی اُٹھائیں گے ۔ اور اگر تو نے اسے قتل کیا دیکھ کر تو قیامت کے دن تجھے نفس کی نگرانی کرنے والوں میں اُٹھایا جائے گا ۔ اور اگر تو نے اُسے قتل کیا صبر کر کے عقبیٰ کے اَجر کی اُمید پر تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ تجھے بروزِ محشر صابر اور ثواب کی نیت والا ہی اُٹھائیں گے ۔"

پس جس قدر معانی کے بیان میں عبارت کی ترکیب و تالیف کا اثر ہوتا ہے اصول کے معانی کے حصول کے لیے اسی قدر مجاہدات کا اثر اصولِ تصوّف میں ہے ۔ جس طرح کہ یہاں عبارات اور تالیف بغیر تصریح کے مفید نہیں ۔ ویسے ہی اصولِ تصوّف میں مجاہدہ بغیر مجاہدہ کسی قسم کا عمل درست نہیں ۔ اور جو اس کے سوا دعویٰ کرے وہ خاطی ہے ۔ اس لیے کہ جہان اور اس کے حدوث کا ثبوت اس کے خالق کی معرفت پر دلیل ہے ۔ اسی طرح نفس اور مجاہدے کی معرفت بھی وصول الی اللہ کی دلیل ہے اور دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تفسیر میں مقدم و مؤخر ہے ۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔

اس کی تفسیر یوں ہے :

وَالَّذِيْنَ هَدَيْنَا لَهُمْ سُبُلَنَا جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔ جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا ہم نے انہیں اپنی راہ دکھا دی ۔

یعنی ہم نے راہ دکھائی ۔ اُنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے :

لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدَكُمْ بِعَمَلِهٖ کوئی تم میں سے اپنے اعمال کے عوض خلاصی نہیں پا سکتا ۔

قِيلَ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا آپ بھی۔ تو آپ نے فرمایا ہاں میں بھی نجات نہیں پا سکوں گا بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔ پس مجاہدہ بندے کا اپنا فعل ہے اور یہ محال ہے کہ اس کا اپنا فعل اس کی اپنی ہی نجات کے لیے کافی ہو جائے۔ پس بندے کی نجات مشیّتِ خداوندی کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ مجاہدہ کے ساتھ۔ ارشاد رب العالمین جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔

"پس اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ جس کو ہدایت دینے کا قصد فرمالیں تو اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں اور جسے گمراہ کرنا مقصود ہو تو اس کا سینہ تنگ اور سخت کر دیتے ہیں۔"

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ۔

جس کو اللہ چاہے ملک ایمان عطا فرمائے اور جس سے چاہے مملکتِ ایمانی سلب فرمائے۔

ان آیاتِ کریمہ میں اپنے ارادہ کے مقابلہ میں مخلوق کے ارادہ و مجاہدہ کی نفی فرمائی ہے تو اگر مجاہدہ ہی حصول اور قربِ ذات کی علّت ہوتا تو شیطان کبھی مردود نہ ہوتا اور اگر مجاہدے کا ترک راندہ اور مردود ہونے کی علّت ہوتا تو حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہرگز مقبول اور برگزیدہ نہ بنتے۔ پس پتہ چلا کہ کثرتِ مجاہدہ زیادہ کارآمد نہیں بلکہ عنایت خداوندی کی سبقت زیادہ کارآمد ہے۔ اور جو کوئی بکثرت مجاہدات میں مصروف رہے وہ مواخذۂ خداوندی سے زیادہ محفوظ نہیں بلکہ جس کو اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی زیادہ

عنایت نصیب ہو تو وہی اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ چنانچہ کوئی تو عبادت خانہ میں عبادت کرتا ہوا بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے بعید ہے اور کوئی رند خراباتی مرتکب معاصی ہے مگر اللہ سبحانہ، و تعالیٰ سے نزدیک ہے۔ تو اب سب سے بہترین پہلو یہ ہے کہ جس کا ایمان مضبوط ہے وہ ہی اللہ کے قریب ہے اور بس۔ جو لڑکا مکلّف باحکام نہیں اس پر حکم ایمان کا ہوگا تو سب سے بڑی چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے اور مجاہدہ و ریاضت ہرگز علّت نجات اور قربِ خداوندی نہیں۔

میں علی بن عثمان الجلابی کہتا ہوں کہ یہ صرف لفظی اختلاف ہے مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایک کا قول ہے کہ:۔

مَنْ طَلَبَ وَجَدَ — جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔

اور دوسرے کا یہ قول ہے کہ:۔

مَنْ وَجَدَ طَلَبَ — جو پالیتا ہے وہ طالب ہو جاتا ہے۔

اس لیے پالینے کا سبب طلب کرنا اور طلب کرنے کا سبب پالینا ہوا۔ وہ ایک تو اس لیے مجاہدہ کرتا ہے تاکہ مشاہدہ حاصل کرلے اور دوسرا اس لیے مشاہدہ کرتا ہے تاکہ مجاہدہ حاصل کرلے۔ اور ان سب باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدہ مشاہدہ میں بجائے توفیق اطاعت کے ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ تو جب حصولِ طاعت توفیقِ الٰہی کے بغیر محال ہے تو توفیق بھی اطاعت کے بغیر محال ہوگی۔ اور جب مشاہدہ مجاہدہ کے بغیر موجود نہیں تو مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ بھی محال ہوگا۔ پس جمال الٰہی کی شعاع آتی ہے تاکہ بندے کو مجاہدے کی طرف رہنمائی کرے۔ لہٰذا جب وجودِ مجاہدہ کی علّت جمالِ الٰہی کی وہ روشنی ہے تو گویا ہدایت، مجاہدے سے مقدّم ہوگی۔ لیکن جو جماعت سہل یہ حجت پیش کر رہی ہے کہ جو مجاہدہ کو مشاہدہ کا سبب نہیں مانتا تو وہ جملہ انبیائے کرام اور کتب اور احکام شرائع کا منکر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ تکلیف کا مدار مجاہدہ رکھتی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ وہ تکلیف کا

دار و مدار اللہ سبحانہ تبارک و تعالیٰ پر رکھتی۔ اس لیے کہ ثبوت دلیل کے لیے ہے نہ کہ حقیقتِ وصل کے لیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ

اور اگر ہم اُن پر ملائکہ کو نازل کرتے اور مردے اُن کے ساتھ کلام کرتے اور اُن کے سامنے آنے والی ہر چیز کو اُن کے لیے زندہ کر دیتے تو جب تک ہم نہ چاہیں وہ ایماں نہ لائیں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتے لیکن اُن میں بہت سے جاہل ہیں۔

کیونکہ علّت ایمان ہماری مشیّت ہے نہ کہ اُن کے مجاہدے اور دلائل کا دیکھنا ایمان کی علّت نہیں۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

وہ لوگ جو کافر ہیں برابر ہے اُن کے نزدیک اظہارِ حجّت۔ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان قبول نہیں کریں گے۔

اس لیے کہ ہم نے ان کے قلوب کو مختوم الشقاوت کیا ہوا ہے تو ورود انبیائے کرام علیہم السلام اور کتابوں کے نازل ہونے اور ثبوت شرائع اسباب وصول الی الحق ہیں نہ کہ علّتِ وصول۔ اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکلّف باحکام اسی قدر تھے جس قدر کہ ابو جہل۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انصاف کی روشنی میں فضیلتِ خلافت پر پہنچ گئے اور ابو جہل جہالت کی اندھیر کوٹھڑی میں اس فضیلت سے محروم رہ گیا۔

پس وصول الی اللہ کی علامت عین وصول ہے نہ کہ طلب وصول۔ کیونکہ اگر طالب و مطلوب دونوں ایک ہی ہوں تو طالب ہی واجد ہو گا۔ اور جب وہ واجب ہو گا تو طالب نہ ہو گا کیونکہ جو اللہ سبحانہ، وتعالیٰ تک پہنچا ہوا ہے وہ سکون میں ہوتا ہے جبکہ طالب پر سکون درست نہیں ہوتا۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ۔ جس کے دونوں دن مساوی ہوں وہ نقصان میں ہے۔

یعنی اللہ سبحانہ، تبارک وتعالیٰ کے طالبین پر اگر دو دن مساوی گزریں تو وہ نقصان میں ہیں کیونکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ اُس کا ہر دن پہلے دن سے بہتر ہو۔ اور یہ درجہ اللہ سبحانہ، تبارک وتعالیٰ کے طالبین کا ہے۔

پھر ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تَحْصُوْا استقامت اختیار کرو مگر ایک حال پر نہ ہو۔

پس مشائخ کرام نے مجاہدہ کو سبب کہا ہے اور سبب تو اثباتِ حجت کو ثابت کرنا اور حقیقتِ ربوبیّت تک وصول کی نفی کرنا ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہم گھوڑے کو ریاضتِ مجاہدہ سے دوسری صفت کی طرف پھیر لیتے ہیں۔ اس کے بارے خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ گھوڑے میں ایک مخفی صفت اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے۔ اس کے ظہور کے لیے ریاضت سبب ہے۔ یہی سبب ہے کہ گھوڑا ابھرانے کے بغیر ریاضت کرائے اپنی باطنی صفت کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اور گدھے میں یہ صفت موجود نہیں ہوتی وہ ہرگز گھوڑا نہیں بن سکتا۔ نہ گھوڑے کو مجاہدہ کے ذریعہ گدھا بنا سکتے ہیں اور نہ ہی گدھے کو ریاضت کے ذریعہ گھوڑا بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ذات کا تبدیل کرنا ہے۔ پس جس طرح کسی چیز کی ذات کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا اسی طرح

اُس چیز کا بارگاہِ خداوندی کے لیے ثابت کرنا بھی محال ہے۔ حضرت سہل تستری پر مجاہدہ اس قدر وارد تھا کہ آپ اس سے آزاد تھے اور آپ کی ذات سے اس کا بیان منقطع تھا یعنی وہ حقیقی مجاہد تھے۔ اُنہوں نے لوگوں کی طرح نہیں جنھوں نے بغیر معاملہ کے اُن کی عبادت کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ اور جو کچھ معاملہ مجاہدات میں پیش آتا ہے اُس کو پوری طرح عبارت میں بیان کرنا محال ہے۔ بہرحال اہلِ طریقت کے نزدیک مجاہدہ اور ریاضت بالاتفاق ثابت ہیں لیکن اُن کو وصول الی اللہ کی علت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس جو شخص مجاہدہ کی نفی کرتا ہے اُس کی خالص مجاہدہ کی نفی نہیں بلکہ مجاہدہ کو وصول الی اللہ کا مدار سمجھنے اور اپنے افعال پر بارگاہِ ایزدی میں مغرور نہ ہونے کی نفی ہے۔ اس لیے کہ مجاہدہ بندے کا فعل ہوتا ہے اور مشاہدہ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی نعمت ہے۔ جب تک اللہ رب العزۃ تبارک و تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو بندہ کا فعل کسی قیمت کا نہیں ہوتا۔ واللہ ایک دن تو انصاف سے کہے گا کہ با ایں آراستگی و مشاطگی کے تو نے اللہ تعالیٰ کا فضل نہ پایا اور اس پر تو فضول اس قدر اپنے عمل کی تعلی مار رہا ہے۔ پس اولیاء اللہ کا مجاہدہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کہ ان کا اپنا اختیار اس میں موجود نہیں ہوتا۔ اور یہ محبتِ خداوندی میں مقہور اور پگھل جاتا ہے۔ اور اس طرح پگھلنا صرف اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ اور جاہلین کا مجاہدہ اُن کا اپنا فعل ہوتا ہے اور اس میں اُن کے اپنے اختیار کا دخل ہوتا ہے اور وہ تشویش و پراگندگی ہوتی ہے اور جو دل پہلے سے ہی پراگندہ ہو وہ آفت سے زیادہ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ تو جہاں تک ہو سکے اپنے عمل کو اپنا فعل نہ بنا اور کسی حالت میں نفس و خواہشات کی اتباع نہ کر۔ اس لیے کہ تیرا وجود تیرے لیے ایسا حجاب ہے کہ اگر ایک فعل سے محجوب ہو گا تو دوسری طرف کے فعل سے اُٹھ جائے گا۔ تو پھر جب تیرا تمام وجود ہی حجاب ہے۔ تو جب تک کلیتہً فنا نہ ہو بقا کا شائبہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ارشاد عالی شان ہے :-

لِاَنَّ النَّفْسَ کَلْبٌ بَاغٍ وَ جِلْدُ الْکَلْبِ لَا یَطْهُرُ اِلَّا بِالدَّبَاغِ۔	اس لیے کہ نفس ایک سرکش کتا ہے اور کتے کی جلد دباغت کے بغیر پاک نہیں ہوتی۔

ایک مشہور و معروف حکایت میں ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں محمد بن حسین علوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر جا کر اُترے۔ اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی کوفہ میں تشریف لائے۔ جب انھیں حضرت حسین بن منصور علیہ الرحمۃ کی خبر پہنچی خدمت میں تشریف لائے۔ حضرت منصور نے فرمایا۔ اے ابراہیم چالیس سال سے جو آپ نے اس طریقہ کے ساتھ تعلق قائم کر رکھا ہے اس سے آپ کو کیا چیز حاصل ہوئی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ اس سے مجھے توکّل حاصل ہُوا ہے تو حضرت منصور نے فرمایا :-

اَفْنَیْتَ عُمْرَكَ فِیْ عِمْرَانِ بَاطِنِكَ فَاَیْنَ الْفَنَاءُ فِی التَّوْحِیْدِ۔	آپ نے اپنے باطن کی تعمیر میں عمر گذار دی۔ پھر توحید میں فنا ہونا کب ہوگا۔

یعنی توکّل ایک عمل ہے جو اپنی طرف سے اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ محبّتِ الٰہی میں اللہ کے ساتھ پردۂ غیب سے ظہور میں آئے۔ لیکن جب کسی نے باطن کے علاج میں ایک عمر صرف کر دی ہو تو اُسے ظاہری معاملات کی درستی کے لیے ایک اور عمر کی ضرورت ہوگی تاکہ اُسے خرچ کر سکے اور اس طرح دونوں عمریں ضائع ہو جائیں گی۔ لیکن ابھی تک اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کا اس تک کوئی اثر نہیں پہنچا ہوگا۔ حضرت شیخ ابو علی سیاہ مروزی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ :-

"میں نے نفس کو دیکھا اپنی صورت کی مثل کہ کسی نے اس کے بالوں کو پکڑا ہُوا ہے۔ جب میں نے اُسے دیکھا تو اُس شخص نے وہ بال میرے ہاتھ میں دے دیئے۔ میں نے اُسے درخت سے باندھ کر مارنے کا ارادہ کیا تو نفس نے مجھ سے کہا اے ابوعلی محنت نہ کرو۔ میں شکرِ الٰہی سے ہوں تم مجھے مٹا نہیں سکتے۔"

حضرت محمدؒ بن علیان نسوئی علیہ الرحمۃ سے مروی ہے۔ آپ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے بڑے مصاحبین میں سے ہیں۔ اُن کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

"میں اپنے ابتدائی حالات میں ہی نفس کی مصیبتوں سے باخبر ہو گیا تھا اور اس کی کمین گاہوں اور چالوں کو جانتے ہوئے اُس کی دشمنی میں لگا رہتا تھا۔ ایک دن لومڑی کے بچے جتنی ایک چیز میرے گلے سے باہر نکلی تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اس سے روشناس کرا دیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ نفس ہے۔ میں نے نفس کو پاؤں کے نیچے روندنا شروع کر دیا۔ لیکن میں جو ٹھوکر بھی اُسے لگاتا تو وہ پہلے سے بھی بڑا ہو جاتا۔ میں نے کہا اے خبیث ہر چیز مار پیٹ سے گھٹتی ہے اور تو مار پیٹ سے بڑھ رہا ہے۔ نفس نے کہا! حضرت میری پیدائش مخلوق کے اُلٹ ہے۔ جو اشیاء آپ کے لیے تکلیف دہ ہیں وہ اشیاء میرے لیے سکون کا سبب ہیں۔ اور جو اشیاء آپ کے لیے سکون کا سبب ہیں وہ میرے لیے رنجیدگی کا سبب ہیں۔"

حضرت ابوالحسن شقانی علیہ الرحمۃ جو اپنے عہد کے عظیم امام اور پیشوا گذرے ہیں اُن کا فرمان عالی شان ہے:۔

"میں ایک دن جب اپنے گھر میں داخل ہُوا تو دیکھا کہ ایک زرد رنگ

کا کتا میرے بستر پر سویا ہُوا ہے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ محلّے کا کوئی کتا اندر آگیا ہے اسے نکالنے کا قصد کیا تو وہ کتا میرے دامن کے نیچے گھس کر میری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔"

اپنے عہد کے قطب ومدار حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی علیہ الرحمۃ اپنے ابتدائی عہد کا حوالہ دیتے ہوئے ایک عالی شان فرمان بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے نفس کو ایک سانپ کی شکل میں دیکھا"

اور ایک درویش کا فرمان عالی شان ہے کہ:

"میں نے نفس کو ایک چوہے کی شکل میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ اُس نے کہا میں غافلین کی ہلاکت ہوں کہ اُن کے شر اور بُرائی کا داعی ہوں اور اولیاء اللہ کی نجات ہوں کہ میں جس کا وجود ایک آفت ہے اگر ان کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ اپنی پاکی پر مغرور اور افعال پر متکبر ہو جاتے کیونکہ جب وہ اپنے دل کی طہارت، باطن کی پاکیزگی، ولایت کے نور اور اطاعت پر استقامت کو دیکھتے ہیں تو بڑائی کی آرزو اُن میں پیدا ہونے لگتی ہے لیکن پھر جب مجھے اپنے دونوں پہلوؤں کے بیچ دیکھتے ہیں تو تمام عیب ان سے پاک ہو جاتے ہیں۔"

یہ تمام حکایات اس اَمر پہ دلیل ہیں کہ نفس ایک عین ہے نہ کہ صفت۔ اور اس نفس کے لیے صفت جُدا ہے اور ہم صرف نفس کی صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ارشاد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

اَعْدَا عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ۔ — تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔

پس جب معرفتِ خداوندی حاصل ہو جائے تو تم معلوم کر لو کہ ریاضت کے ذریعہ اُسکو قابو میں لایا جاسکتا ہے۔ تاہم اُس کی ذات و ماہیت کو فنا نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب اُس کی اچھی طرح پہچان ہو جائے تو طالب حق کو اس کے باقی رہنے سے خوف نہیں ہوتا۔ ارشاد گرامی ہے:

لِاَنَّ النَّفْسَ کَلْبٌ نَبَّاحٌ — کیونکہ نفس ایک بھونکنے والا کتا ہے اور

وَاِمْسَاکُ الْکَلْبِ بَعْدَ الرِّیَاضَةِ مُبَاحٌ — کتے کو شکار کی ریاضت کے بعد رکھنا مباح ہے۔

تو مجاہداتِ نفس فنائے اوصاف نفس کے لیے ہیں نہ کہ اُس کے عیب کو فنا کرنے کے لیے۔ اگرچہ بزرگانِ دین نے اس بحث میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ لیکن بخوفِ طوالت کتاب اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اب ہوا کی حقیقت اور شہوات کو ترک کرنے کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کے فضل سے سب کچھ اور اُسی کی توفیق سب کا ماحصل ہے۔

ہوا کی حقیقت کا انکشاف:

جاننا چاہیئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمھیں عزت و آبرو عنایت فرمائے بہتر طور پر جان لینا چاہیئے کہ ہوا ایک گروہ کے نزدیک اوصافِ نفس میں ایک صفت کا نام ہے۔ اور دوسرے گروہ کے نزدیک ہویٰ اس ارادہ کا نام ہے جو نفس میں مدبّر اور متصرف ہے جیسے عقل رُوح سے۔ اور ہر وہ رُوح جس میں عقل سے کوئی قوۃ حاصل نہ ہو وہ ناقص ہے اور ہر وہ نفس کہ اس میں ہویٰ کی کوئی قوت نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔ پس رُوح کا ناقص ہونا عین قربِ خداوندی ہے۔ اور بندہ کو دائمی طور پر دو دعوات حاصل ہوتی رہتی ہیں:

ا۔ ایک دعوات عقل کی جانب سے حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری دعوت ہوا کی جانب سے ہے۔ البتہ جو شخص عقل کی دعوت کی اتباع کرتا ہے وہ صاحبِ ایمان ہو جاتا ہے۔ لیکن جو شخص ہویٰ کی دعوت پر لبیک کہتا ہے وہ گمراہی اور کفر میں پھنس جاتا ہے۔ پس ہویٰ حجاب اور گمراہ کن ہے۔ مریدین کو اس سے بلند رہنا اور طالبین کو اس سے اعراض کرنا چاہیئے۔ اور بندہ اس کی مخالفت کرنے پر مامور ہے اور خواہشاتِ نفس کا مرتکب مجرم ہے۔

ارشاد گرامی ہے:۔

لِاَنَّ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ۔

کیونکہ جو اس پر سوار ہوا تباہ ہو گیا اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ فرشتہ صفت ہو گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

اور جو اپنے رب سے خائف رہا اور نفس کو اس کی خواہش و ہوا سے روک لیا۔ پس اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلِ الْاَمَلِ۔

میں جس چیز سے اپنی اُمت کے بارے میں خائف ہوں وہ خواہشات کی پیروی اور طول اَمل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ سبحانہٗ ہے:۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ

کیا تو نے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے۔

حضرت ابن عباس جو اہلِ تفسیر کے سردار میں اُنھوں نے ہی یہ فرمایا ہے:۔

وہ شخص جس کا خدا اور معبود الٰہ ہے۔ ذَا الْهَوٰى اِلٰهُهٗ مَعْبُوْدٌ

اُس آدمی کے لیے تباہی ہے جس نے اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی بجائے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے اور رات دن کی تمام کوششیں نفس کو خوش کرنے کے لیے صرف کرتا ہے۔

اقسام خواہشات

:- خواہشات دو اقسام میں منقسم ہیں:-

۱۔ لذت و شہوت کی خواہش۔

۲۔ مخلوق میں مرتبہ اور حکومت کی خواہش۔

لذت و شہوت کی خواہشات کا اتباع کرنے والا شراب خانوں میں رہتا ہے اور مخلوق اس کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہتی ہے۔ اور جو شخص متبع جاہ و ریاست ہے وہ صوامع اور دیر میں جلوت نشینی کرتا ہے اس کا فتنہ و فساد خلق میں لازمی ہے کہ خود کو جادۂ حق سے گرا کر گمراہ راہ کی دعوت دے رہا ہے۔ پس ہم خواہشات کی پیروی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ پس جس کی تمام حرمات خواہشات نفس کے تابع ہوں اور وہ نفس کی پیروی پر مطمئن ہو وہ اگرچہ مسجد میں تمھارے ہمراہ رہتا ہے پھر بھی اللہ سبحانہ تبارک و تعالیٰ سے دُور ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص خواہشاتِ نفس سے بیزار ہو اور اُس کی اتباع سے گریزاں ہو۔ وہ اگرچہ بُت خانہ میں کیوں نہ ہو وہ مقرب باری تعالیٰ ہوگا۔

حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے، فرماتے ہیں کہ:-

"میں نے سُنا کہ روم میں ایک راہب ستّر سال سے رہبانیت میں گرجا کے اندر بیٹھا ہُوا ہے۔ میں بہت حیران ہُوا کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس برس ہے۔ یہ شخص کس مشرب پر عمل کرتے ہوئے ستّر برس تک کلیسا میں آرام سے بیٹھا ہُوا ہے۔ میں نے اس سے ملاقات کا قصد کیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے دریچہ کھول کر مجھ سے کہا۔ ابراہیم میں جانتا ہوں

کہ تم کس لیے آئے ہو۔ میں یہاں ستر برس سے رہبانیت کے لیے نہیں
بیٹھا ہوں بلکہ میرے اندر خواہشات سے بپھرا ہوا ایک کتا موجود ہے۔
میں اس کلیسا میں بیٹھا اس کی نگرانی کر رہا ہوں اور اُس کا شر مخلوق سے
روکے ہوئے ہوں۔ ورنہ میں وہ نہیں جو تمہارا اتنا بڑا اعتراض اپنے اُوپر
آنے دیتا۔ جب میں نے اُس کی یہ بات سُنی تو میں نے کہا الٰہی! تو اس پر
قادر ہے کہ گمراہی میں بھی کسی شخص کو جادۂ حق پر چلا دے۔ راہب نے مجھ
سے کہا۔ ابراہیم کب تک لوگوں کو ڈھونڈے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کر
جب خود کو پالے گا تو اُس کی حفاظت کر کیونکہ ہر روز یہ ہوا کا کتا تین سو
ساٹھ بار لباسِ اُلوہیت پہن کر بندہ کو گمراہی کی طرف بُلاتا ہے۔"
بہر حال شیطان کو بندے کے دل اور باطن میں گھسنے کی اس وقت تک مجال نہیں
ہوتی جب تک اُس کے دل میں نافرمانی کی خواہش پیدا نہ ہو جائے۔ جب اس
خواہش گناہ کا مادہ نفس میں ظاہر ہو جاتا ہے اُس وقت شیطان اُسے پکڑتا ہے
اور اُسے آراستہ کر کے بندے کے دل کے سامنے کر دیتا ہے۔ اور اسی کو وسواس
کہتے ہیں۔ تو معصیت کی ابتداء ہوا سے ہے۔ جیسا کہ:

وَالْبَادِیْ اَظْلَمُ — اور ابتداء کرنے والا بہت ظالم ہے۔

اور اسی حقیقت کو فرمانِ خداوندی میں ظاہر کیا جب کہ شیطان علیہ اللعنۃ نے
اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ میں عرض کیا کہ اب میں تیرے بندوں کو راہِ راست سے
ہٹاؤں گا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ — بیشک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا نفس اور خواہش ہی شیطان ہیں۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

مَامِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ غَلَبَهُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا عُمَرَ فَاِنَّهٗ غَلَبَ شَيْطَانَهٗ۔

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر اُس کا شیطان غلبہ حاصل نہ کرے بجز عمر رضی اللہ عنہ کے کہ آپ اپنے شیطان پر غالب ہیں۔

پس خواہشات حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سرشت میں داخل اور اولادِ آدم کی جان کا سکون ہیں۔

پھر ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

اَلْهَوىٰ وَالشَّهْوَةُ مَعْجُوْنَتَيْنِ بِطِيْنَةِ اِبْنِ اٰدَمَ

خواہش اور شہوت آدم کی اولاد کی طینت میں گوندھی گئی ہے۔

خواہشات کا ترک بندے کو امیر کرتا ہے اور خواہشات کی اتباع امیر کو اسیر بنادیتی ہے۔ جیسا کہ امیر ہوتے ہوئے جب زلیخا نے خواہش کی اتباع کی تو اسیر بن گئی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ترک ہویٰ فرمایا۔ اسیر تھے مگر امیر ہو گئے۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے لوگوں نے پوچھا کہ:۔

مَاالْوَصْلُ   وصل کیا ہے؟

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

ترکُ ارتکاب الهویٰ   ہویٰ کے ارتکاب ترک کرنے سے۔

جو شخص وصلِ حق سے مشرف ہونا چاہے اُسے چاہیئے کہ خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرے کہ بندہ خواہشات کی مخالفت سے بڑھ کر کسی بھی بڑی عبادت کے ذریعہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ آدمی کے لیے ایک پہاڑ کو ناخن سے کھودنا نفس کی مخالفت سے زیادہ آسان ہے۔ حضرت ذوالنون مصری کا فرمان عالی شان ہے:۔

"میں نے ایک شخص کو ہوا میں اُڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ یہ مقام کس عمل کی وجہ سے حاصل کیا۔ اُس نے کہا کہ میں نے حرص و ہوا کی راہ کو ٹھکرایا تو ہوا میں اڑ رہا ہوں"۔

حضرت محمدؒ بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے :۔

"میں اُس شخص پر حیران ہوں کہ متبع ہویٰ ہو کر جمالِ جمیل حاصل کر رہا ہوں۔ ہوا پر اپنا قدم کیوں نہیں رکھتا کہ منزلِ مقصود تک پہنچے اور دیدارِ یار حاصل کرے اور نفس کی زیادہ ظاہر جو صفت ہے وہ شہوت ہے۔ اور شہوت ان کی ایسی قوت کا نام ہے جو اجزائے جسم میں پراگندہ ہے اور تمام حواس اس کے ساتھ ہیں اور بندہ ان کی حفاظت پر مکلّف ہے اور انسان ہر حس کے فعل کے متعلق جواب دہ ہے۔ آنکھ کی شہوت دیکھنا، کان کی شہوت سننا، ناک کی شہوت سونگھنا، زبان کی شہوت بولنا، تالو کی شہوت چکھنا، جسم کی شہوت چھونا، سینے کی شہوت سوچنا ہے"۔

پس طالب کو اپنا نگران اور حاکم ہونا چاہیئے اور شب و روز اس کام میں لگا رہنا چاہیئے کہ حواس میں پیدا ہونے والے خواہشات کے اسباب کو خود سے دُور کر دے اور اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ سے استعانت کا طلب گار رہے کہ وہ اس میں ایسی صفت پیدا کر دے کہ اس جیسے ارادے اور وساوس تیرے باطن قلب سے مدفوع ہو جائیں۔ اس لیے کہ جو شخص اس شہوت و ہوا کی دلدل میں پھنس گیا وہ تمام وصال جمال سے محجوب ہو گیا۔ تو اگر بندہ اس بتکلّف اپنے سے دفع کرتا ہے تو اس کا رنگ و محنت دراز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خواہشات کا وجود تو پے در پے ہوتا ہے اور اس کو اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کے حوالے کر دینا ہی بہتر ہے تا کہ

تا کہ گوہرِ مقصود حاصل ہو جائے۔

حضرت ابو علی سیاہ مروزی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ :۔

"میں حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے مطابق اُسترہ لے رہا تھا کہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ عضو منبعِ شہوت ہے اور یہی مجھے آفات میں گرفتار کیا کرتا ہے۔ اسے خود سے الگ کر دے تاکہ شہوات سے نجات حاصل ہو جائے۔ غیب سے آواز آئی اے ابو علی تو ہماری ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے حالانکہ جسم کی ساخت میں کوئی عضو دوسرے عضو سے زیادہ موزوں نہیں۔ ہمیں اپنی عزت کی قسم۔ اگر تو اسے اپنے جسم سے الگ کر دے تو ہم تمہارے ہر بال میں کئی سو گنا شہوت اور خواہش پیدا کر دیں گے۔"

اس مضمون کے ضمن میں کسی نے کیا خوب کہا ہے :۔

اَلْاِحْسَانُ دَعْ اِحْسَانَكَ

اُتْرُكْ بخشوا اللہ بَا ذَنجَانُكَ

اے احسان چھوڑ اپنا احسان۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی راحتوں کو ترک کر دے۔

غرضیکہ بندہ کو جسم کے خراب کرنے کی ولایت حاصل نہیں اور اُسے کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں پہنچتا لیکن اپنی کسی صفت کو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی توفیق اور اُس کے حکم کی تعمیل کے ذریعہ تبدیل کر سکتا ہے تو اُسے اللہ رب العالمین جلّ مجدہ الکریم کی عصمت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور عصمتِ الٰہی بندہ کو حفظ اور رضا کے نزدیک تر کر دیتی ہے یہی مجاہدہ ہے :۔

لِاَنَّ نَفْیَ الذُّبَابِ بِالْمِكْنَسَةِ　　مکھی کو جھاڑو سے دُور کر دینا آسان

اَلْیُسْرُ مِنْ نَفْیِهَا بِالمذبة   بہ نسبت اس کے کہ اُسے اشارے سے دُور کردیں۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ کی عصمت تمام آفات کو زائل اور تمام برائیوں کو باطل کرنے والی ہے۔ اور بندہ کو کسی صفت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت نہیں۔

بجز اس کے کہ بندہ کو جتنا اختیار و تصرف عطا فرمایا ہے وہ ظاہر ہے مگر اس کی ملکیت میں تصرف نہیں۔ جب تک اس کی تقدیر میں عصمتِ حق نہ ہو بندہ اپنی کوشش سے ہرگز کسی مقدر سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے کہ کوشش اللہ تعالیٰ کی طاقت کی عطا کی ہوئی ہے۔ کیونکہ اُس کی اپنی کوشش کوئی کوشش نہیں ہے۔ کہ جب تک اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی کوشش بندہ کے شامل حال نصیب نہ ہو تو بندے کی اپنی کوشش سودمند نہیں ہوسکتی۔ تاہم محض کوشش سے اطاعت کی قوت ساقط ہوجاتی ہے کیونکہ انسان کی تمام کوششیں دو طرح ہوتی ہیں:۔

۱۔ پہلی کوشش یہ کہ حق تعالیٰ کی تقدیر کو خود سے پھیر دے۔

۲۔ دوسری کوشش یہ کہ خود تقدیر کے خلاف کسی چیز کی اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔

یہ کوشش کی دونوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ نہ تو تقدیر کوشش کے ذریعہ سے تبدیل ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی کام تقدیر کے بغیر وقوع پذیر ہوتا ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ:۔

"حضرت شبلی علیہ الرحمۃ بیمار ہوگئے۔ آپ کی خدمت میں حکیم حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ پرہیز کریں۔ آپ نے فرمایا میں کس چیز سے پرہیز کروں جو میرا رزق میرا مقدّر ہے یا اس چیز سے جو تقدیر میں میرا رزق نہیں۔ اگر میں اپنے مقدّر سے پرہیز کرنا بھی چاہوں تو ہرگز نہیں

کر سکتا۔ اور اگر مقدر کے علاوہ سے پرہیز کروں تو وہ تو خود ہی مجھے نہیں دیں گے۔ پھر پرہیز کا کیا مطلب؟ جس کو خدا نے مشاہدہ عطا فرمایا ہے وہ مجاہدہ نہیں کرتا۔"

اب اس مسئلہ کو احتیاط کے ساتھ انشاء اللہ دوسری جگہ بیان کریں گے۔

فرقہ حکیمیہ کی حقیقت کا انکشاف:۔ فرقہ حکیمیہ کا حقیقی واسطہ حضرت ابو عبد اللہ بن علی الحکیم ترمذی علیہ الرحمۃ سے ہے۔ آپ اپنے وقت کے امام الائمہ گزرے ہیں۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی میں فرد الفرید تھے۔ آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ آپ کا کلام اور طریق عمل ولایت و تصوف کے رنگ میں تھا۔ آپ نے حقیقتِ ولایت کو بلند کیا اور اولیاء اللہ کے درجات اور اُن کے مراتب کی رعایت کو واضح کیا جو ایک الگ ناپید اکنار سمندر ہے جس میں بکثرت عجائبات موجود ہیں۔ آپ کے مذہب کی معلومات کے لیے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کے کچھ دوست ایسے ہیں جن کو اُس نے اپنی مخلوق سے انتخاب کر لیا ہے۔ اور اُن کے معاملات کو دنیوی تعلقات سے منقطع اور نفس و خواہش کی مقتضیات سے آزاد کر دیا ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک درجہ پر متمکن کیا ہے۔ اور ان پر معانی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ یہ بحث نہایت طویل ہے اس کی تشریح کے لیے بکثرت اصول پہلے بیان کرنے ضروری ہیں۔ اور اس بارے میں مشائخ کا کلام بھی پیش کیا جائے گا۔ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

ولایت کے ثبوت کا بیان:۔ جاننا چاہیئے کہ تصوف اور معرفت کے طریق کی بنیاد ولایت اور اُس کو ثابت کرنے پر منحصر ہے۔ اس کے ثبوت میں تمام مشائخ کا آپس میں اتفاق ہے۔ تاہم

سے اجتناب کرے اور اُس کی عنایت پر حُسنِ اقامت سے ابلیس دور بھاگ جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کو ولایت عطا ہوتا کہ اس کا حل مملکتِ خداوندی میں ہو اور اس کا عقد، عقد ہو۔ اور اس کی دعا قبول ہو۔ اور اس کے انفاس و اقوال بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوں۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہے:

رب اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبأ بہ لو اقسم علی اللہ لابرہ

کبھی کبھی پریشان بال غبار آلود، پھٹی چادر والا جو کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو اگر کسی معاملے میں اللہ کی قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کرتا ہے۔

مروی ہے کہ عہدِ فاروقی میں دریائے نیل کا پانی اپنی عادت کے مطابق رُک گیا اس لیے کہ جاہلانہ زمانہ میں یہ رسم تھی کہ ہر سال خوبصورت بچی کو سجا کر اس میں ڈالتے تھے تب کہیں دریائے نیل جاری ہوتا تھا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کاغذ پر لکھ دیا کہ اے پانی اگر تو خود رُکتا ہے اور خشک ہوتا ہے تو ہرگز جاری نہ ہو۔ اور اگر حکمِ خداوندی سے ٹھہرا ہے تو عمر کہتا ہے جاری ہو جا۔ چنانچہ جب رقعہ دریا میں ڈالا گیا تو پانی فوراً جاری ہو گیا۔ حقیقت میں امارت یہی ہے۔ پس ولایت اور اُس کے اثبات سے میری مراد یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ولی وہ ہوتا ہے جس میں ولی جیسے وصف ہوں۔ اور اس کا حال اس طرح ہو جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ نہ صرف مدعی ہو۔ اس سے قبل بھی بزرگوں نے اس کے ضمن میں کتب تصانیف کی تھیں لیکن وہ بہت جلد گم ہو گئیں۔ اب میں مذہب حکیمیہ کے امام حضرت ابوعبداللہ حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ کے مذہب کو روشنی میں لاتا ہوں۔ کیونکہ میرا عقیدہ اس بزرگ کے ساتھ بہت ہے تاکہ پڑھنے والے کو اور جو کتاب ہذا کے مطالعہ کی سعادت حاصل کرنے کا طالب ہے اس سے استفادہ حاصل کر سکے۔ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہے۔

ہر ایک نے اس کو الگ عبارت میں بیان کیا ہے ۔ حضرت محمد بن علی الحکیم علیہ الرحمۃ ولایت کو حقیقت کے لیے مطلق چھوڑنے میں مخصوص ہیں ۔ باقی ولایت ، واؤ کے زبر کے ساتھ لغت کے اعتبار سے تصرف کرنے کو کہتے ہیں اور ولایت واؤ کی زیر کے ساتھ دولت مندی کے معنی میں استعمال ہے ۔ اور دونوں ولی کے مصدر ہیں ۔ اس صورت میں یہ دونوں لغت ایسے ہیں جیسے دِلالت و دَلالت ۔ اور ولایت بمعنی ربوبیت بھی استعمال ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے :۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ قیامت میں قبضہ و تصرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۔

یعنی قیامت کے دن کفار بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی تولی کرکے اپنے دنیاوی معبودوں سے بیزاری ظاہر کریں گے ۔ اور ولایت بمعنی محبت کے بھی استعمال ہے ۔ اور ہو سکتا ہے کہ وَلِیٌّ بروزن فعیلٌ ہو کر مفعول کے معنی میں ہو ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ وہ صالحین سے محبت کرتا ہے ۔

گویا اللہ سبحانہ ، تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اُس کے افعال و اوصاف پر نہیں چھوڑا ۔ اور اپنے سایۂ حمایت میں رکھنے کی خوشخبری دی ۔ اور ہو سکتا ہے کہ فعیل کے وزن پر بمعنی مبالغہ استعمال ہو اور فاعل کے معنیٰ دے کہ بندہ تولّٰی بطاعت حق کرے اور اس کے حقوق مدّ نظر رکھ کر اس کے اتباع میں مداومت رکھے ۔ اور غیر اللہ سے اعراض کرے ۔ گویا یہ بندہ مرید اور اللہ سبحانہ ، تبارک و تعالیٰ مراد ہوتا ہے ۔ اور یہ تمام باتیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے بندوں کے لیے اور بندہ سے اللہ سبحانہ ، تبارک و تعالیٰ کے لیے درست ہیں اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اولیاء کا مددگار ہو ۔ کیونکہ اللہ تبارک

و تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اپنے اولیاء کے ساتھ نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشاد گرامی ہے:۔

اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ خبردار۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

پھر ارشاد گرامی ہے :۔

وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ اور بیشک کفار کا کوئی مولیٰ نہیں۔

یعنی کفار کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔ جب کفار کا کوئی حامی و ناصر نہیں تو لامحالہ اہل ایمان کا حامی و ناصر ہو گا کہ ان کی عقول کو آیاتِ کریمہ سے استدلال کرنے، ان کے قلوب پر معانی کے بیان کرنے۔ اور باطن میں براہین کا انکشاف کرنے میں اُن کی مدد کرتا ہے۔ اور نیز نفس و شیطان کی مخالفت اور اپنے احکام کی موافقت میں ان کی نصرت کرتا ہے۔ اور پھر یہ بھی روا ہے کہ وہ اُن کو اپنی باری کے لیے مخصوص کر کے اپنی عداوت کے مقامات سے انھیں محفوظ رکھے۔

ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے :۔

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اللہ انھیں محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اللہ کو محبوب رکھتے ہیں اور مخلوقات کے لطف کی طرف اُن کی نظر نہیں جاتی۔ جب ہی وہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ اور یہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حقیقی دوست کہلاتے ہیں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو اپنی بندگی پر قائم رہنے کی ولایت عطا فرمائیں اور اس کو اپنی حفاظت و نگرانی میں رکھیں تاکہ وہ ان کی اطاعت پر قائم رہے۔ اُن کی مخالفت۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ، تبارک وتعالیٰ تمھیں توفیق عنایت فرمائے کہ لفظ

فصل : ولی مخلوقات کے مابین استعمال ہے اور کتاب وسنت بھی اس پر ناطق ہیں۔

اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

خبردار! بالتحقیق اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

نَحْنُ اَوْلِیَآؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔

ہم تمھارے حیاتِ دنیا اور آخرت میں مددگار ہیں۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا — اللہ اہل ایمان کا مددگار ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَعِبَادًا یَّغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالشُّھَدَآءُ قِیْلَ مَنْھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صِفْھُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّھُمْ قَالَ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ اَمْوَالٍ وَاکْتِسَابٍ وُجُوْھُھُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ لَایَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ تَلَا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ

تحقیق بندگانِ خدا میں سے بعض بندے ایسے ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ صحابہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا ہمیں ان کے اوصاف بتایئے شاید ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا وہ ایک قوم ہے جو مال ومنال کے حصول کے بغیر ہی اپنے پروردگار پر خوش رہتی ہے۔ ان کے چہرے روشن ہیں اور وہ منبروں پر بے فکر بیٹھے ہیں

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ وہ خائف نہیں ہوتے۔ جبکہ انھیں لوگ ڈرائیں اور نہیں گھبراتے اور غم گین نہیں ہوتے اور عوام گھبرا رہے ہوں۔ تحقیق اللہ کے دوستوں کو کچھ خوف نہیں اور نہ ہی وہ غم گین ہوں گے۔

پھر حدیثِ قدسی میں ارشاد گرامی ہے :۔

مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِیْ ۔ جس نے میرے کسی ولی کو ایذا دی میں اُس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

اس سے واضح مراد ہے کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ اپنے دوستوں کا حامی و ناصر ہے۔ اور اس نے اپنی ان پاک ہستیوں کو اپنی دوستی اور ولایت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اور وہ اللہ کے ملک کے والی بنائے گئے ہیں اور ان کو اپنے افعال و قوت کا مظہر بنایا ہے۔ اور اُن کو مختلف قسم کی کرامات سے مخصوص کیا اور اُن کے وجود سے طبعی آفات کو پاک کر دیا اور ان کو نفس و ہوا کی پیروی سے رہا کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کا مقصود اُس کے علاوہ کچھ نہیں اور اُن کا اُنس کبھی کسی کے ساتھ نہیں۔ یہ لوگ ہم سے قبل موجود تھے۔ زمانہ گذشتہ میں تھے۔ اور حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصّلوٰۃ والتسلیمات کے ارشاد کے ساتھ ایسے مجرد ہیں کہ متابعتِ نفس کی راہ ان پر مسدود ہے۔ یہاں تک کہ جو آسمان سے رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔ وہ اُن کے دم قدم کے صدقہ سے ہے۔ اور جو زمین میں سبزہ اُگ رہا ہے۔ وہ ان کی صفائے حال کی برکت سے اُگ رہا ہے۔ اور کافر پر مومن کو غلبہ انھیں کی ہمت سے حاصل ہے۔ اور اس نوع کے اولیائے کرام چار ہزار کی تعداد میں لوگوں سے مکتوم و مخفی ہیں اور ایسے پوشیدہ ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور وہ خود اپنے جمالِ حال سے بے خبر ہیں۔ اور اپنے تمام احوال میں اپنے سے اور مخلوق سے مستور ہیں۔ اور اس دعوے کے اثبات میں احادیث وارد بھی موجود ہیں اور اب سے قیامت تک رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُس اُمت کو دوسری

تمام اُمتوں پر شرف عطا کیا ہے اور اس بات کی ضمانت دی ہے کہ میں خود حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی شریعت مطہرہ کا تحفظ کروں گا۔ جس طرح آج بھی علمائے کرام کے درمیان نقلی دلائل اور عقلی براہین موجود ہیں۔ اسی طرح اولیائے کرام اور خاصانِ خدا کے پاس ایسے عینی دلائل موجود ہونے چاہئیں جن کا مخلوق کے اندر انکار نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس معاملے میں ہمارا دو فرقوں کے ساتھ اختلاف ہے۔ معتزلہ اولیائے کرام میں سے بعض کی دوسرے بعض پر فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اولیائے کرام میں تخصیص کی نفی سے انبیائے کرام میں بھی تخصیص کی نفی لازم آتی ہے اور یہ تو کفر ہے۔ اور عام حشوی اولیاء کرام میں ایک دوسرے کی تخصیص کو تو جائز سمجھتے ہیں لیکن اُن کا قول ہے کہ ایسے اولیائے کرام پرانے زمانے میں ہوتے تھے آج موجود نہیں ہیں۔ حالانکہ ماضی اور مستقبل کا انکار دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ ایک طرف کا انکار دوسرے طرف کے انکار کو بطریقِ اولیٰ لازم ہے۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے برہانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آج تک باقی رکھا ہوا ہے۔ اور اولیاء اللہ کے ذریعہ اس برہان کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اور ان اولیائے کرام کو دنیا والوں کا حاکم فرمایا ہے۔ تاکہ وہ اتباعِ سنت میں مشغول رہیں اور اسی راہ پر چل کر نفس کی پیروی کے راستے سے بچیں۔ اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نفی تخصیص ولی تخصیصِ نبی کو

مستلزم ہے۔ اور یہ صریحاً کفر ہے۔ اور عام حشویہ تخصیص کو تو جائز رکھتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ اولیاء تھے اب نہیں رہے۔ انکار ماضی و مستقبل دونوں انکار ہیں۔ اس لیے کہ ایک طرف کا انکار دوسری طرف سے بدتر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے برہانِ نبوت کو آج تک باقی رکھا ہے۔ اور اولیائے کرام کو اس برہان کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ مسلسل آیات و حجت صداقتِ محمدی علیہ السلام

پیوستہ طریق پر ظاہر و باہر ہیں۔ اور ان ہستیوں کو خصوصیت سے عالم کا والی بنایا ہے۔
اور اولیائے کرام کے اقوال اس کی تائید میں ناطق ہیں۔ اور مجھے خود بھی اس بحث میں
بحمداللہ بکثرت احادیث واضح طور پر پہنچی ہیں۔ علاوہ ازیں جو حضرات ارباب حل و عقد
اور بارگاہِ خداوندی کے سردار ہیں اور وہ تعداد میں تین سو ہیں۔ جن کو اخیار کہا جاتا ہے
اور چالیس دوسرے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ اور سات دوسرے ہیں جنہیں ابرار
کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور چار اور ہیں جنہیں اوتاد کا نام دیا جاتا ہے اور چار
وہ ہیں جنہیں اوتار کا نام دیا جاتا ہے۔ اور تین دوسرے ہیں جنہیں نقبا کے نام
سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ایک دوسرا ہوتا ہے جسے غوث اور قطب کہتے ہیں۔
یہ تمام باہم پہچانتے ہیں۔ اور معاملات کو پورا کرنے میں ایک دوسرے کی اجازت
کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس پر بھی روایات ناطق ہیں اور اربابِ حقیقت اس کی صحت
پر متفق ہیں۔ اس کی مزید شرح و بسط کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں۔ اس لیے کہ یہاں
بیان کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے۔ اس جگہ عام طور پر عوام یہ اعتراض کرتے ہیں
کہ یہ کیا کہا گیا کہ وہ خاصانِ خدا آپس میں نہیں پہچانتے اور وہ ہر ایک ولی ہوتا ہے۔
تاہم یہ جائز ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کسی ولی کو اس کے حال میں صحت اور
اپنی نافرمانی سے محفوظ کر کے اپنے خصوصی فضل و کرم سے عاقبت کے بارے
میں امن سے مشرف فرمائیں۔ اس جگہ مشائخ کا آپس میں اختلاف ہے اور میں
نے منشائے اختلاف واضح کر دیا ہے کہ جو کوئی اُن پوشیدہ چار ہزار حضرات میں سے
ہیں وہ اپنی ولایت کے بارے میں خود علم ہونے کو جائز نہیں سمجھتے اور جو حضرات
ان دیگر مشائخ میں سے ہیں وہ اس معرفت کو درست سمجھتے ہیں۔ فقہاء میں سے بہت
سے حضرات اس جماعت کی موافقت کرتے ہیں اور بہت سے فقہاء اس گروہ کے
موافق ہیں۔ اور متکلمین کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ابواسحاق اسفرائنی اور ایک جماعت

متقدمین اسی پر ہیں کہ ولی اللہ خود کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے۔ تو ہم نے اُن سے دریافت کیا کہ اس معرفت میں ولی کے لیے کیا مصیبت ہے تو ان کا یہ قول ہے کہ ولی اگر خود کو ولی سمجھتا ہے تو پریشان اور متکبر ہو جاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ میں ولی ہوں۔ اس کا جواب میں دیتا ہوں کہ شرطِ ولایت میں یہ چیز بھی ہے کہ اس کی محافظت سپردِ خدا ہو تو پھر آفاتِ عجب و تکبر سے محفوظ ہونا ضروری ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کا متکبر ہونا روا نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ بات تو بہت عام سی ہے کہ کوئی شخص ولی ہو اور اُس پر عام عادت کے خلاف کرامات بھی ظاہر ہوتی ہوں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ میں ولی ہوں۔ اور میرے اُوپر گذرنے والی یہ حالت کرامت۔ عوام میں سے ایک جماعت اس طبقے کی تقلید کرتی ہے اور بعض لوگ اس دوسری جماعت کی تقلید کرتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں کی باتوں پر یقین نہیں۔ اب رہے معتزلہ یہ کلیۃً تخصیص ولایت و کرامت دونوں کے منکر ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ولایت میں تخصیص و کرامت ہی مخصوص ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ تمام مسلمان اللہ کے ولی ہیں بشرطیکہ اطاعت کرنے والے ہوں۔ اور جو شخص بھی ایمان پر قائم ہے صفاتِ باری تعالیٰ اور رویت باری کا منکر ہو۔ گنہ گار مومن کے دائمی طور پر جہنم میں رہنے کا قائل ہو۔ اور انسان کے رسولوں کی بعثت اور آسمانی کتب کے نازل نہ ہونے کی صورت میں محض عقل کی بنیاد پر مکلّف ہونے کا اقرار کرے وہ ولی ہے۔ اور تمام اہلِ اسلام کے نزدیک یہ شخص ملی ہو گا۔

لیکن حقیقت میں ایسے عقیدہ والا آدمی شیطان ہے۔ اور اگر کہتے ہیں کہ ولایت و کرامت ولی کے لیے واجب ہے تو سب مسلمانوں میں کرامت ضروری تھی اس لیے کہ سب مسلمان ایمان میں مشترک ہیں۔ اور جب اصل میں مشترک ہیں تو انھیں فرع میں بھی مشترک ہونا چاہیئے بلکہ اُن کا تو یہ بھی قول ہے کہ اس طرح روا ہے کہ مومن اور کافر دونوں کو کرامت حاصل ہو کہ خواہ ان میں سے کوئی سفر کی حالت میں شدت کی بھوک محسوس کرتا ہو تو اچانک کوئی میزبان یا دستر خوان ظاہر ہو یہاں تک کہ کوئی اُسے اس دستر خوان پر بٹھا دے۔ اور ان کا کہنا ہے

کہ اگر کوئی شخص لمبی مسافت ایک رات میں طے کر سکتا ہو تو انبیاء علیہم السلام کو اُس وقت حاصل ہوتی جب آپ نے مکہ مکرمہ کا قصد کیا تھا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا :

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا	جہاں تم لوگ بڑی محنت سے پہنچ سکتے ہو
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۔	وہاں یہ چوپائے تمہارا بوجھ اُٹھا کر لے

جاتے ہیں ۔

میں کہتا ہوں کہ تمہارا یہ قول سراسر غلط اور سراسر باطل ہے ۔ اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ	پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے
لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى	کو رات کے تھوڑے حصّہ میں مسجد حرام
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔	سے مسجدِ اقصیٰ تک ۔

باقی تمام صحابہ کرام کے جانوروں پر بوجھ لاد کر مکہ مکرمہ کی جانب لے جانے کا تو معنیٰ یہی ہے کہ کرامات خاص ہیں نہ کہ عام ۔ ہاں اگر وہ تمام کرامت کے ذریعہ مکہ پہنچ جاتے ہیں تو کرامات عام ہوتیں پھر ایمان بالغیب ضروری نہ رہتا ۔ اور ایمان بالغیب کے تمام احکام اُٹھ جاتے ۔ اس لیے کہ ایمان اپنے مقام پر عموم کے درجہ پر ہے ۔ مطیع و عاصی کے لیے اور ولایت مختص ہے ۔ مطیع کے لیے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا وہ حکم جس میں حمل اثقال فرمایا ۔ وہ محل عموم میں تھا ۔ اور حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو عمومی درجہ کے ساتھ مخاطب کیا ۔ وہاں ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے قاب قوسین تک لے گیا اور تمام جہان کے اسرار و رموز آپ کو دکھا دیئے ۔ اور جب آپ واپس تشریف لائے تو ابھی تک رات کا کافی حصّہ باقی تھا ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان کا حکم عوام کے لیے عام ہے ۔ اور حکم کرامت خاص ہے ۔ خواص کے لیے نفی تخصیص کرنا مکابرۂ عیاں ہے ۔ جیسے کہ نوکر کا حکم بادشاہ کے

دربار میں۔ دربان اور وزیر بھی ہوتے ہیں۔ اور باوجودیکہ یہ تمام حکم برداری میں برابر ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کو دوسرے لبعض پر خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ایک مومن عاصی ہے ایک مومن فرمانبردار، ایک مومن عالم ہے اور ایک مومن عابد، ایک مومن جاہل ہے اور ایک مومن صاحبِ تقویٰ۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ تخصیص اور فضیلت کا انکار۔ تمام معانی کے انکار کے مانند ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا اور بہتر اجر عطا فرمانے والا ہے۔ اور سب کچھ اُسی کی توفیق سے ہے کیونکہ ہر قسم کی توفیق اُسی ذاتِ کریمہ سے حاصل ہے۔

فصل:

بزرگانِ دین نے لفظ ولایت کی تحقیق میں بکثرت رموز بیان فرمائے ہیں ہم اس مقام جہاں تک ہو سکے ان کے مختار اقوال کو نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تبارک و تعالیٰ صاحبِ مطالعہ کو فائدہ حاصل ہوگا۔

حضرت ابوعلی جرجانی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلْوَلِیُّ هُوَ الْفَانِیْ فِیْ حَالِهٖ وَالْبَاقِیْ فِیْ مُشَاهَدَةِ الْحَقِّ لَمْ یَکُنْ لَهٗ عَنْ نَفْسِهٖ اَخْبَارٌ وَلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰهِ قَرَارٌ۔

ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی ہو اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو۔ اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنے حال پر کسی کو کچھ خبر دے سکے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے ساتھ اسے قرار ہو۔

اس لیے کہ خبر بندہ کے لیے اپنے حال سے ہوتی ہے اور جب حال فانی ہوگیا تو پھر اسے اپنے حال کی خبر دینا درست نہیں اور غیرِ حق سے آرام پانا بھی صحیح نہیں۔ کہ اپنے حال کی اسے اطلاع دے کیونکہ مخفی حال کی خبر دینا محبوب کے راز کو غیر پر کھولنے کے برابر ہے حالانکہ محبوب کا راز محبوب کے علاوہ کسی پر کھولنا محال ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جب رویتِ غیر ہی مشاہدہ جمالِ یار میں محال ہے تو رویت غیر

ہی مشاہدہ جمال یار میں محال ہے۔ لہٰذا جب غیر کو دیکھنا ہی نہ پایا جائے تو مخلوق کے ساتھ قرار کس طرح ممکن ہو گا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا قول عالیشان ہے کہ:۔

اَلْوَلِیُّ اَنْ لَا یَکُوْنَ لَہٗ خَوْفٌ لِاَنَّ الْخَوْفَ تَرَقُّبُ مَکْرُوْہٍ یَحِلُّ فِی الْمُسْتَقْبَلِ وَاِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَفُوْتُ فِی الْمُسْتَانِفِ وَاَلْوَلِیُّ اِبْنُ الْوَقْتِ مُسْتَقْبَلٌ فَیُخَافُ شَیْئًا وَکَمَا لَا خَوْفَ لَہٗ لَا رِجَاءَ لَہٗ لِاَنَّ الرِّجَاءَ اِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَحْصُلُ اَوْ مَکْرُوْہٍ یَکْشِفُ وَذٰلِکَ فِی الثَّانِیْ مِنَ الْوَقْتِ وَکَذَالِکَ لَا حُزْنَ مِنْ حُزُوْنَۃِ الْوَقْتِ وَمَنْ کَانَ فِیْ ضِیَاءِ الرِّضَاءِ وَرَوْضَۃَ فَانَ الْمُوَافِقَۃِ یَکُوْنُ لَہٗ حُزْنٌ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

ولی وہ ہے جو بے خوف ہو کیونکہ خوف مستقبل میں پیش آنے والی اُس حالت کو کہتے ہیں جس سے دل پر تکلیف یا جسم پر کسی مصیبت کا ڈر ہو یا محبوب کے الگ ہو جانے کا خطرہ اُٹھ رہا ہو۔ اور ولی اپنے وقت کا پابند ہوتا ہے کہ اُس کے لیے کوئی زمانہ آنے والا زمانہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی چیز سے خوف رکھے۔ اور جس طرح اُسے کوئی خوف نہیں ہوتا اُس کی کوئی اُمید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اُمید آنے والے زمانے میں محبوب کے حاصل ہونے یا کسی تکلیف کے دُور ہونے کے انتظار کا نام ہے اور یہ بھی آنے والے دوسرے وقت کے ساتھ متعلق ہے۔ اسی طرح اُسے کوئی غم بھی لاحق نہیں ہوتا کیونکہ غم بھی تو وقت کی کدورت کو کہتے ہیں۔ جو آدمی اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ کی روشنی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے شکر کے نور اور موافقت حق کے باغ میں ہو پس وہ کس طرح غمگین ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

کہ خبردار اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے۔"

اس فرمان عالی شان سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کا دوست وہ ہے جو بے خوف ہے۔ اس لیے کہ خوف اس چیز سے ہوتا ہے جس کے آنے سے دل کراہت کرتا ہے کہ یہ آنے والے زمانہ پر وارد ہو یا خوف رکھتا ہے کہ آنے والے زمانہ میں وہ محبوب جو اس وقت موجود ہے چلا جائے گا۔ ولی ابن الوقت یعنی صاحب الوقت ہوتا ہے۔ اس کے لیے آنے والا وقت ایسا نہیں جس سے وہ خائف ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے خبردار! بحقیق اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ ہی انہیں کوئی کسی قسم کا غم ہے۔ جس طرح کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کا دوست خوف سے بے خوف ہوتا ہے اُمید بھی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ رجا اُس اُمید کو کہتے ہیں جس میں آنے والے زمانے میں محبوب کی ملاقات کی اُمید ہو۔ یا اس قسم کی اُمید کہ جو سختی آرہی ہے وہ اس سے رفع ہو جائے۔ اور اللہ کے دوست کا وہ وقت ہوتا ہے کہ یہ اپنے وقت میں غم سے بے غم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ غم کا تعلق کدورت سے ہے تو جو رضا کی روشنی میں آگیا اور موافقت کے باغ میں متمکن ہو گیا وہ کب غمگین ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ — خبردار! بحقیق اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ کبھی غمگین ہوں گے۔

جب اللہ کے دوست کو خوف، اُمید و حزن کچھ بھی لاحق نہیں ہوتا تو لامحالہ وہ اپنی عاقبت سے امن میں ہو گا۔ حالانکہ یہ اَمن بھی اُسے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ امن غیب کو دیکھنے اور وقت سے اعراض کرنے کا موجب ہوتا ہے اور یہ

اُن لوگوں کی صفت ہے جو اپنی بشریت کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی کسی صفت سے آرام پاتے ہیں۔ حالانکہ خوف، اُمید، حزن و امن یہ تمام نفس کے ساتھ متعلق ہیں۔ اور جب وہ نفس فانی ہو گیا تو رضائے الٰہی بندہ کی صفت بن گئی۔ اور جب اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی تو اپنے حال سے اعراض ظاہر ہو گیا۔ اور رویتِ محبوب میں محول اور باقی تمام احوال سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت ولایت کا دل پر کشف ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی کے تمام راز اس پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو عثمان مغربی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَشْھُوْرًا وَلَا یَکُوْنُ مَفْتُوْنًا۔ — اللہ کا دوست مخلوق میں معروف تو ہوتا ہے لیکن فتنہ گر نہیں ہوتا۔

اور ایک بزرگ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَسْتُوْرًا وَلَا یَکُوْنُ مَشْھُوْرًا۔ — اللہ کا دوست مستور ہوتا ہے اور مشہور نہیں ہوتا۔

اور یہ احترازِ شہرت اس سبب سے ہے کہ اس کی شہرت فتنہ پرور ہوتی ہے۔ اور حضرت ابو عثمان اس قول کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تو روا ہے کہ وہ معروف ہو لیکن اُس کی شہرت فتنہ سے پاک ہونی چاہیئے اس لیے کہ فتنہ تو کذب میں ہے۔ اور جب ولی ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی ولایت میں صادق ہو تو جھوٹے آدمی پر تو ویسے ہی ولی کا اطلاق نہ ہوگا۔ اور اظہارِ کرامت کبھی کاذب کے ہاتھ سے محال ہے تو لازم آتا ہے کہ ہر قسم کا فتنہ اس کے شب و روز سے ساقط ہو جائے۔ اور یہ دونوں قول اس اختلافی مضمون کی طرف جاتے ہیں کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے۔ کیونکہ اگر اپنی ولایت کو پہچانے گا تو مشہور ہو جائے گا اور اگر نہ پہچانے تو فتنہ میں واقع ہو جائے گا۔ اور اس کی تشریح بہت لمبی ہے۔ ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم

ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک آدمی کو فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے کہ اولیاء اللہ میں سے اللہ کا ولی ہو۔ عرض کی ہاں۔ میں چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا:۔

لَا تَرْغَبْ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَفْرِغْ نَفْسَکَ لِلّٰہِ وَاَقْبِلْ بِوَجْھِکَ عَلَیْہِ۔

دنیا و آخرت کی کسی چیز سے رغبت نہ رکھ۔ اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے لیے فارغ کر دے اور اپنی تمام توجہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی مبذول کر دے۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا و آخرت کی طرف رغبت نہ کر کیونکہ دنیا کی طرف رغبت کرنا حقیقتاً اللہ تبارک و تعالیٰ سے ایک فنا ہونے والی شے کی طرف رغبت کرنا ہے۔ اور آخرت کی طرف رغبت کرنا حقیقت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے اعراض کر کے ایک باقی چیز کی طرف رغبت کرنا ہے۔ جب کسی فانی چیز کی طرف اعراض ہو گا تو جب فانی چیز فنا ہو گی تو یہ اعراض بھی فنا ہو جائے گا۔ لیکن جب ایک باقی رہنے والی چیز کی طرف رغبت کرو گے تو باقی چیز پہ تو فنا جائز نہیں لہٰذا اُس رغبت پر بھی فنا واقع نہیں ہو گی۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طلب دنیا و آخرت کے ساتھ نہ رکھ اور فرمانا کہ اپنے دل کو محبتِ الٰہی کے لیے دنیا و آخرت سے خالی کر کے دل کو اپنے رب کی طرف رجوع۔ تو جب یہ اوصاف تیرے اندر موجود ہو جائیں گے تو اللہ کا دوست بن جائے گا۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے کسی نے دریافت کیا کہ اللہ کا دوست کون ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا:۔

اَلْوَلِیُّ ھُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّھْیِ۔

اللہ کا دوست وہ ہے جو امر و نہی پر صبر کرے۔

اس لیے کہ جس کے دل میں اللہ کی جس قدر دوستی ہو گی۔ اس کے حکم کی عظمت اس قدر

زیادہ ہوگی۔ اور اس کی نہی سے اس کا جسم اتنا ہی دُور ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے ایک حکایت ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ:-

"ایک مرتبہ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ فلاں شہر میں اللہ کے دوستوں میں سے ایک اللہ کا دوست رہتا ہے۔ میں اُٹھا اور ان کی ملاقات کے قصد سے چلا۔ جب ان کی مسجد میں پہنچا وہ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں آکر قبلہ کی طرف رُخ کر کے مسجد میں کلی کر دی۔ میں اُسی وقت واپس لوٹا اور اُس سے سلام تک بھی نہ کہا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اللہ کا دوست تو وہ ہوتا ہے جو شریعت مطہرہ کی پاسداری کرے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کی ولایت پہ نگاہ رکھیں۔ اگر یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہوتا تو اپنے منہ سے کلی کر کے کلی کا پانی مسجد میں نہ پھینکتا اور مسجد کی حرمت کا لحاظ رکھتا تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی حرمت کی عصمت کا تحفظ۔ اُسی شب میں حضور نبیٔ پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا اے بایزید! جو عمل تو نے کیا ہے اُس کی برکت تمہارے باطن میں رسائی کر چکی ہے۔ اور پھر دوسرے دن میں اُس مقام پر پہنچ گیا جس پر تم مجھے دیکھ رہے ہو۔

میں نے سنا ہے کہ ایک آدمی حضرت شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسجد میں بایاں پاؤں رکھ کر داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا واپس ہو جا اس لیے کہ جو دوست کے گھر میں آنے کے طریقہ سے واقف نہیں وہ آدمی ہمارے کسی کام کا نہیں۔

ملحدین کی ایک جماعت نے اس مقدس طریق کے ساتھ اس طرح تعلق پیدا کر رکھا ہے۔ اُن کا قول ہے کہ خدمت یہاں تک کرنی چاہیئے کہ بندہ اللہ کا دوست بن جائے۔ جب بندہ اللہ کا دوست بن جائے تو اس سے عبادت کا بوجھ اُٹھ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر گمراہی ہے اور صوفیائے کرام کے ہاں ایسا کوئی مقام نہیں ہے کہ جس پر صوفی کے آجانے کے بعد کوئی رکن اور کام خدمت کا اُٹھ جائے۔ انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر اسے تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

اثباتِ کرامت کا بیان: جاننا چاہیئے کہ کرامت کا ظہور ولی اللہ کی طرف سے اس کی صحتِ حال اور مجاہدہ میں قطعی جائز ہے۔ اور صوفیائے کرام اہلِ سنّت و جماعت کا اس اَمر پر اتفاق ہے اور عقل بھی اسے صحیح مانتی ہے اس لیے کہ یہ ایک قسم ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طاقت کا مظہر ہے اور اس کا اظہار کہ اصل شرع و دلیل سے منافی نہیں اور عقل و اوہام بھی اس کے خلاف نہیں۔

درحقیقت کرامت ولی کے سچّا ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔ اور اس کا ظہور کسی جھوٹے سے درست نہیں بجز اس بات کے کہ اُس کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے کی نشانی ہو۔

درحقیقت کرامت وہ خلافِ عادت کام ہوتا ہے جو کسی آدمی کے احکام شریعۃ پر قائم رہنے کی حالت میں اس سے ظاہر ہو۔ اور جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کے جتلانے سے سچائی اور جھوٹ میں تمیز کرتا ہو وہ بھی اللہ کا دوست ہے۔

اہلِ سنّت وجماعت کی ایک جماعت کا قول ہے کہ کرامت صحیح ہے مگر حدِ معجزہ تک نہیں بلکہ وہ ایسے ہے جیسے قبولِ دُعا یا تصرّفِ ولی سے کسی کی مراد حاصل ہونا اور وہ جو نقصِ عادات تک نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ تمھیں شریعت کے احکام پر قائم رہنے والے ولی ماسخ کے ہاتھ پر خلافِ عادت کام کے ظاہر ہونے میں کیا قباحت نظر آتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ چیز اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی قدرت میں نہیں تو یہ تو خود گمراہی ہے۔ اور اگر وہ کہیں کہ یہ قسم اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے لیکن کسی اللہ کے ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور گویا نبوت کو باطل کرنا اور انبیائے کرام علیہم السّلام کی خصوصیات کی نفی کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی محال ہے اس لیے کہ ولی کرامات کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور نبی معجزات کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

وَالْمُعْجِزَۃُ لَمْ تَکُنْ مُعْجِزَۃً بِعَیْنِھَا
اِنَّمَا کَانَتْ مُعْجِزَۃٌ لِحُصُوْلِھَا
وَمِنْ شَرْطِھَا اِقْتِرَانُ دَعْوَۃِ
النُّبُوَّۃِ بِھَا وَالْمُعْجِزَاتُ تَخْتَصُّ
بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْکَرَامَاتُ تَکُوْنُ
لِلْاَوْلِیَاءِ۔

اور معجزہ اپنی ذات کے ساتھ معجزہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے حصول کے سبب معجزہ ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ معجزہ انبیائے کرام کے لیے مخصوص ہے اور کرامات اولیاء اللہ کے لیے ہے۔

پھر جب ولی، ولی ہوتا ہے اور نبی، نبی ہوتا ہے۔ ان دونوں میں کسی قسم کی ایسی بہت مشا نہیں کہ ان کے اندر احتراز کیا جائے۔ نبی کے شرف و مرتبت اُن کے بلند رتبے اور عصمت کی صفائی کے سبب ہوتا ہے نہ کہ محض معجزے یا کرامت یا اُن کے خلاف عادت افعال کے ظاہر ہونے کے سبب ہے۔ اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے جملہ معجزات خلاف عادت ہی ہوتے ہیں۔ اور اصل میں تمام معجزات مساوی ہیں لیکن درجات کے اعتبار سے ایک دوسرے پر بزرگی عطا ہوئی ہے۔ تو جب فضیلتِ درجات میں ایک ایک

پر شرف و فضیلت رکھتا ہے تو یہ کیوں نہ ممکن ہو کہ خارقِ عادات امور و افعال میں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو اور پھر کیوں نہ ہو کیا انبیائے کرام کے بعد اولیائے کرام کو بھی ایک درجہ خارق عادات اُمور کا عطا ہوا اور اس کا نام کرامت رکھا جائے ۔ اس پر لازمی طور پر یہ اَمر علم ہوگا کہ انبیائے کرام ان سے فاضل تر کہ بلکہ اشرف ترین خلائق ہیں ۔ تو جب افعال ناقصِ عادات علت تفضیل و تخصیصِ انبیاء نہیں تو یقیناً خارقِ عادات اُمورِ علتِ تخصیصِ ولی کبھی نہیں ہو سکتے ۔ اور نبی ولی برابر کبھی نہیں ہو سکتے ۔ اور ہر عاقل جو اس دلیل کو سمجھ لے گا وہ نبی و ولی کے درمیان شبہ کو اپنے سے اُٹھا دے گا ۔ اور جب معاملہ اسی طرح ہے تو ولی کی کرامت، نبی کے اثباتِ محبت کے موافق ہو گی ۔ معجزے اور کرامت کے درمیان طعن کرنے کا کوئی شبہ واقع نہیں ہو گا اس لیے کہ حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلم معجزے کے ثابت کرنے سے اپنی نبوت کو ثابت کرتے ہیں ۔ اور ولی بھی اپنی کرامت سے آپ کی نبوت کو ہی ثابت کرتا ہے ۔ نیز اس طرح اپنی یہ ولایت کا ثبوت بھی فراہم کر دیتا ہے ۔ اور ولی کی کرامت کا مشاہدہ انبیائے کرام علیہم السّلام کی تصدیق میں زیادہ موثق درجہ پیدا کر کے یقین پیدا کرتی ہے ۔ نہ کہ اس میں شبہ واقع ہو ۔ اس لیے کہ ان کے دعوؤں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا ۔ جس طرح کہ قانونِ شریعت میں جب ورثا کی ایک جماعت کسی دعویٰ میں متفق ہو تو جب اُن میں سے ایک کی حجت پیدا ہو جائے گی تو اس کی حجت دوسروں کے لیے بھی حجت قرار پائے گی ۔ کیونکہ وہ سب دعویٰ ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں ۔ اور اگر دعوے مختلف ہوں تو ایک کی حجت دوسروں کے لیے حجت قرار پائے گی ۔ تو جب نبی معجزہ کے دلائل سے مدعی نبوّت ہوتا ہے ۔ اور ولی نبی کے دعویٰ پر تصدیق کے لیے کرامت سے خصم کو تسلیم کراتا ہے ۔ اس میں شبہ کا واقع ہونا محال ہے ۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے ۔

معجزہ وکرامت کی حقیقت کا بیان :- جب یہ بات اثبات پہ پہنچ گئی کہ کاذب شخص کے ہاتھ پہ

معجزے اور کرامت کا ظاہر ہونا محال ہے تو لامحالہ فرق زیادہ ظاہر ہونا چاہیئے تاکہ بہتر طور پہ واضح ہو جائے۔

جاننا چاہیئے کہ معجزات کے لیے شرط یہ ہے کہ اُن لوگوں پہ ظاہر کیا جائے اور کرامات کے لیے شرط یہ ہے کہ ان کو چھپایا جائے۔ یاد رہے کہ معجزہ دوسروں کے لیے نافع ہوتا ہے اور کرامت صرف کرامت والے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ صاحبِ معجزہ کو یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ یہ خالص معجزہ ہے لیکن ولی اللہ قطعی طور پہ نہیں جان سکتا کہ یہ کرامت ہے یا کہ استدراج ہے۔ اور صاحبِ معجزہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے شریعۃ میں تصرف کرتا اور احکام میں منہیات میں ترتیب دیتا ہے۔ لیکن صاحبِ کرامت یعنی ولی اللہ کو نبی اللہ کے احکام کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لیے کہ ولی کی کرامت کسی طرح بھی نبی اللہ کے شرعی احکام کی مخالفت نہیں کرتی۔ اگر کوئی کہے کہ جب معجزہ خارقِ عادت ہے اور دلیل نبی کی صداقت ہے۔ تو جب اس کی جنس غیر نبی کے لیے جائز دیکھی تو یہ معتاد ہو جائے گی۔ اور عین حجت اثباتِ معجزہ تمھارے لیے کرامت کے ثبوت کو باطل کرتی ہے۔ تو میں جواب دوں گا کہ صورتِ حال اس طرح نہیں جس طرح تم نے اعتقاد بنا لیا ہے۔ کیونکہ معجزہ مخلوق کی عادت کے خلاف کام کرنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا جب ولی اللہ کی کرامت بعینہٖ نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔ اور جو دلیل نبی کا معجزہ ظاہر کرتی ہے وہی دلیل ولی اللہ کی کرامت بھی ظاہر کرتی ہے۔ تو ایک معجزہ دوسرے معجزہ کی مخالفت نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں جب کفار نے سولی پر لٹکا دیا تو حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات مدینہ شریف کے اندر مسجد میں تشریف

فرما اُنھیں دیکھ رہے تھے۔ اور اُن کے ساتھ کافر جو سلوک کر رہے تھے آپ اپنے صحابہ کرام کو بتلا رہے تھے۔ اللہ سُبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے سے بھی پردے اُٹھا دیئے تاکہ وہ بھی حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سلام عرض کیا۔ آپ نے اُن کا سلام سُنا پھر آپ نے اُن کے سلام کا جواب دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کا سلام اللہ کے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے کان مبارک تک پہنچا دیا۔ پھر حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ رُخ ہو کر ان کے حق میں دعا فرمائی۔ اور اُن کا رُخ قبلہ کی طرف پھر گیا اور اُن کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

پس یہ معاملہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خبیب کو مدینہ سے ملاحظہ کریں اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکّہ سے مدینہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھیں۔ یہ ایک ایسا فعل ہے جو خارقِ عادت ہے اور معجزہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اور وہ جو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکّہ سے مدینہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ جہاں آرا کا مشاہدہ فرما رہے تھے وہ کرامت تھی اور خارقِ عادت تھی۔ اس لیے بالاتفاق کسی غائب چیز کو دیکھنا عادت کے خلاف فعل ہے۔ پس غیبِ زمانی اور غیبِ مکانی میں کوئی فرق نہیں ہوتا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے غیبِ مکانی کی حالت میں تھی۔ اور متاخرین اولیاء اللہ کی کرامات آپ سے غیبِ زمانی کی حالت میں ہوئی ہے۔ یہ ایک بیّن فرق ہے اور روشن دلیل جو ثابت کر رہی ہے کہ کرامت اور معجزہ دونوں جُدا نہیں ہیں۔ اس لیے کہ کرامت صاحبِ تصدیق معجزہ کے بجز نہیں ہوتی۔ اور بجز ایسے مومن جو مصدق و مطیع ہو ظہور میں نہیں آتی۔ اور وہ اُمتی سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور جو کرامت اُمتی سے سرزد ہوتی ہے وہ حقیقت میں انبیائے کرام علیہم السلام کا معجزہ ہے۔

کیونکہ جب آپ کی شریعت باقی ہے تو آپ کی حجت بھی باقی رہنی چاہیئے۔ پس اولیاء اللہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی رسالت کی سچائی پر گواہ ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ درست نہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعت غیر اُمتی کے ہاتھ پر کرامت ظاہر ہو۔ اس کی تائید میں ایک حکایت مروی ہے جو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور ہے۔ ان کا فرمان عالی شان ہے کہ :

"میں ایک دفعہ حسبِ عادت جنگل میں اپنی تجرید توحید کے ساتھ تھا کہ کچھ دیر بعد ایک کونہ سے ایک شخص نمودار ہوا اور میرے ساتھ ہمنشین ہونے کی آرزو کرنے لگا۔ میں نے اس کے باطن پر نگاہ ڈالی تو مجھے اس سے نفرت پیدا ہوئی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کون ہے جو اس سے نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اس نے کہا اے ابراہیم! رنجیدہ خاطر نہ ہو کہ میں نصاریٰ کے پادریوں میں سے ہوں اور تیرے ساتھ مصاحبت کی خواہش پر ملکِ روم کے ایک دور دراز شہر سے یہاں آیا ہوں۔ حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جب مجھے علم ہو گیا کہ یہ بیگانہ آدمی ہے تو میرے دل نے اطمینان پکڑا اور اس کو اپنی صحبت میں رکھنا اور اس کے حق کو ادا کرنا میرے لیے آسان ہو گیا۔ میں نے کہا اے راہب ہمارے پاس اکل و شرب کا انتظام نہیں ہے۔ ہمیں اس امر کا خطرہ لاحق ہے کہ کہیں تمھیں اس جنگل میں ہماری معیت سے تکلیف نہ ہو۔ راہب نے کہا اے ابراہیم! دنیا میں تیری اس قدر شہرت ہے تو تُو ابھی کھانے پینے کے غم میں مبتلا ہے۔ آپ کا قول ہے کہ اس کی اس خوش دلی سے مجھے تعجب ہوا اور میں نے اُسے اپنی صحبت میں قبول کر لیا تاکہ میں تجربہ کر دوں کہ وہ اپنے دعوے میں کہاں تک صادق ہے۔ جب ہم سات

روز شب و روز تک چلتے رہے تو ہمیں پیاس کی شدت نے مجبور کیا وہ کھڑا ہو گیا اور بولا اے ابراہیم! تمام دنیا میں تیرا اس قدر ڈنکا بجتا ہے بارگاہِ ربُ العالمین جل مجدہ الکریم سے کوئی کرامت تو لا اس لیے کہ میں اب پیاس کی شدّت سے نڈھال ہوں۔ آپ کا قول ہے کہ میں نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا :۔

"اے میرے رب مجھے اس اجنبی کے رُوبرو رُسوانہ کرنا کیونکہ وہ اس بیگانگی کے باوجود بھی مجھ پر بہتر گمان رکھتا ہے۔ تیرے لیے کچھ محال نہیں ہے کہ اس کافر کا گمان میرے حق میں درست کر دے"۔

آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ :۔

"جب میں نے اپنا سر اُوپر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک طبق ہے جس میں دو عدد روٹیاں اور دو عدد پیالے پانی کے رکھے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے وہ دو روٹیاں اور پانی کھایا پیا اور پھر چل دیئے"۔

پھر جب سات دن گذر گئے تو میں نے اپنے دل سے کہا کہ آج میں اس راہب کا بھی تجربہ کروں گا۔ اس سے پہلے کہ یہ میرا امتحان کرے اور مجھ سے کچھ طلب کرے۔ میں نے راہب سے کہا اے راہب کچھ لا آج تیری باری ہے اپنے مجاہدہ کا کمال دکھا راہب نے بھی سر زمین پر رکھ دیا اور کچھ کہا کہ ایک طبق ظاہر ہُوا جس میں چار روٹیاں اور چار پیالے پانی کے موجود تھے۔ میں یہ دیکھ کر نہایت متعجب ہُوا اور اپنے گذرے ہوئے دنوں کو یاد کر کے رنجیدہ ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے یہ کھانا نہیں کھانا چاہیئے اس لیے کہ یہ کھانا تو کافر راہب کے لیے آیا ہے۔ اگر میں نے اسے کھا لیا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں کافر سے مدد کا مستحق ٹھہرا۔ راہب نے کہا اے ابراہیم! کھانا کھایئے۔ میں نے راہب سے کہا۔ میں کھانا پینا نہیں چاہتا۔ راہب نے کہا اس میں کیا حکمت ہے۔ ابراہیم نے کہا اس لیے کہ تو اس کا مستحق نہیں تھا اور یہ سب کچھ تیری حالت

کے مناسب نہیں۔ اور میں تیرے اس کام میں نہایت پریشان ہوں کہ اگر اسے کرامت سمجھوں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ تو کفر کی حالت میں ہے اور کافر سے کرامت کا ظہور ناممکن ہے اور اگر اسے اعانت کہوں تو مدعی اس شبہ میں پھنس جائے گا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی اعانت اسلام قبول کیے بغیر کرتا ہے تو اسے اسلام سے مشرف ہونے کی کیا حاجت ہے۔ راہب بولا اے ابراہیم اسے نوش فرمایئے۔ آپ کو دو باتوں کی خوشخبری سے آگاہ کرتا ہوں پہلی خوشخبری یہ کہ میں نے اسلام کو قبول کیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

دوم یہ کہ آپ کا منصب بارگاہِ ربّ العالمین جلّ مجدہ الکریم بہت ارفع و اعلیٰ ہے میں نے کہا وہ کیسے کہنے لگا کہ مجھے کرامات میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں لیکن میں نے آپ کے شرف سے سرزمین پہ رکھ لیا تھا اور میں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا:

"اے اللہ العالمین! اگر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین حق اور تیرا پسند کیا ہوا ہے تو مجھے دو روٹیاں اور پانی کے دو پیالے عنایت فرما۔ اور اگر ابراہیم خواص تیرا دوست ہے تو مجھے دو روٹیاں اور دو پیالے پانی اور عنایت فرما۔"

پھر جب میں نے اپنا سر اُوپر اُٹھایا تو یہ طبق اپنے سامنے موجود پایا۔ حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمتہ نے اس طباق میں سے کھالیا اور اللہ کا بندہ جو پہلے ایک راہب تھا وہ خاصانِ خدا میں سے ہو گیا۔ اور یہ حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا عین معجزہ ہے جو اللہ کے دوست کی کرامت میں پوشیدہ ہے۔ اور خاص طور پر یہ نادر امر ہے کہ نبی کی غیبت میں غیر برہان دکھائے اور وہ بھی ایک ولی کی موجودگی میں غیر کے ذریعے کرامت ظاہر ہوئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ولایت کی انتہا اس کے مبتدی کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ اس لیے کہ وہ راہب، فرعون کے

جادوگروں کی طرح پوشیدہ ولی تھا۔ پس حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ نے تو نبی کے معجزہ کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔ لیکن وہ دوسرا تو نبی کی صداقت کے ساتھ ولی کی آبرو کا بھی طلب گار تھا تو اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ نے اپنے ازلی حسنِ عنایت سے اُس کو اُس کا مقصود عنایت کر دیا۔ کرامت اور معجزہ کے درمیان یہ بڑا ہی روشن فرق ہے۔ اس موضوع پر بکثرت قول ہیں لیکن یہ کتاب اس سے زیادہ کی متحمل نہیں۔ اور اولیائے رحمٰن پر کرامت کا اظہار ایک دوسری کرامت ہے۔ اور نہ ہی اسے ایسا کرنا زیبا ہے۔ میرے شیخ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"اگر ولی اللہ اپنی ولایت ظاہر کر دے تو اس سے اپنی صحتِ حال کا دعویٰ قائم رکھے تو نقصان نہیں لیکن اگر مظاہرہ ولایت کے لیے بالارادہ بتکلف اگر ظاہر کرے تو کوئی نقصان نہیں یہ رعونت اور سرکشی ہے۔"

مدعیِ الوہیت سے معجزہ کے ظہور کا بیان (اہلسنت و جماعت کے) :۔ تمام اکابر اور مشائخ صوفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر کے ہاتھ سے کوئی بھی ایسا فعل ظاہر ہو سکتا ہے جو خارقِ عادت ہو۔ اور معجزہ یا کرامت کی مثل ظاہر ہو۔ اور شبہ کے تمام اسباب اس کے ظہور سے ختم ہو جائیں اور کسی کو اس کے جھوٹا ہونے میں شک نہ ہو۔ اور اس فعل کا ظہور اس کے کاذب (جھوٹا) ہونے کی دلیل ہو گا۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے فرعون نے اپنی عمر چار صد برس پائی کہ اس اپنی عمر میں وہ بیمار نہ ہوا۔ اور پانی اس کے پیچھے پیچھے بلندی کی طرف بھی جاری رہتا تھا۔ اور جب وہ کھڑا ہوتا تو پانی بھی کھڑا ہو جاتا اور جب وہ چلتا تو پانی بھی اس کے پیچھے جاری ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اہل عقل اس بات کو بہتر طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجسم و مرکب نہیں ہے۔ اور

اسے یا اس طرح کے بکثرت افعال بھی اُس سے ظاہر ہو جاتے تب بھی کسی ذی شعور انسان کو اس کے کاذب ہونے میں کوئی شک نہ ہوتا۔ اسی طرح باغ ارم کے مالک شدّاد و نمرود کے متعلق جو خلافِ عادت افعال کی روایات آتی ہیں انھیں بھی اسی پر قیاس کرو۔ اور اسی طرح حضور نبیٔ غیب دان علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے بھی ہمیں خبر دی ہے کہ قربِ قیامت میں دجّال کا ظہور ہو گا اور دجّال خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اُس کے دائیں بائیں دو پہاڑ چلیں گے۔ دائیں جانب کا پہاڑ نعمتوں کا اور بائیں جانب کا پہاڑ عذاب و سزا کا ہو گا۔ اور وہ مخلوق کو اپنی الوہیت کی طرف بلائے گا۔ جو کوئی اُسے خدا نہ مانے گا وہ اُسے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کی گمراہی کے سبب مخلوق کو ماریں گے۔ اور زندگی دیں گے۔ اور دنیا میں اُس کا حکم مطلق پھیلا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے عقلاء کی نظر میں یہ کذاب تھا۔ اور اس کی خدائی دعویٰ کی تصدیق اہل عقل نے نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ مجسّم و مرکب نہیں۔ علاوہ ازیں اگر اور بھی ایسے خارق عادات افعال اس سے ظہور میں آتے تو اہلِ عقل اس کے جھوٹے دعویٰ میں کبھی شبہ نہیں کرتے۔ کیونکہ عقلمند آدمی کو بہتر طور پر یہ علم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ گدھے پر سوار نہیں ہے۔ اور وہ ذات ہے کہ کبھی متغیر و متلون نہیں ہو سکتی۔ وہ اندھا نہیں۔ بغرضیکہ ایسے اُمور جو اس قسم کے آدمی سے صادر ہوں۔ اسے استدراج کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدعی نبوت کاذب سے بھی ایسے افعال ظاہر ہو جائیں۔ مگر یہ اس کے جھوٹ کی دلیل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایسے ہی اُمور خارق عادت ایک نبی صادق کے ہاتھ سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر وہ اس کے صدق کی دلیل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ جھوٹے سے کوئی ایسا فعل بھی ظاہر ہو سکے۔ جس میں دیکھنے والوں کو نبوّت صادقہ کا شبہ ہو جائے۔ اور اگر ایسا بھی ہونا ممکن ہوتا تو پھر سچے کو جھوٹے

سے پہچاننا مشکل تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسی صورت میں طالبِ حق کسے سچا سمجھتا اور کسے جھوٹا۔ ایسی حالت میں حکمِ نبوت صادقہ ہی باطل تھا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی مدعی ولایت کے ہاتھ کرامت کی جنس سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہو۔ جو دین میں درست ہو۔ اگرچہ اس کا معاملہ زیادہ اچھا نہ بھی ہو کیونکہ وہ اس سے رسول کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ اور اپنے آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل کو ظاہر کر رہا ہے۔ اور اس فعل کی طاقت وقوت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اور جو آدمی اصلِ ایمان میں بغیر دلیل کے سچ کہنے والا ہو وہ ولایت کے ساتھ اعتقاد رکھنے میں بھی احوال کے اعتبار سے سچا ہی ہوگا۔ کیونکہ تمام احوال میں اس کا اعتقاد ولی کے اعتقاد کی مثل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اعمال اس کے اعتقاد کے موافق نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی دعوائے ولایت اس سے معاملات کو ترک کرنے کے منافی ہے۔ جس طرح کہ دعوائے ایمانی اعمال کے ترک کرنے کے منافی نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ منصبِ ولایت وکرامت کسبی نہیں۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ کسب وعملِ انسان ہدایت کے لیے علّت نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ اولیاء اللہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے کہ نبوت کی شرط عصمت ہے نہ کہ ولایت کی شرط۔ مگر اولیاء اللہ ہر قسم کی آفات وبلیات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ جو ولایت کی نفی کے مقتضی ہوں۔ اور ولایت کی نفی اُس کے وجود کے بعد اُن چیزوں سے وابستہ ہے جو ایمان کے منافی ہیں۔ اور ایمان کی منافی چیزوں کا ارتکاب تو صرف معصیت ہی نہیں بلکہ اس سے انسان مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت حکیم ترمذی محمد بن علی علیہ الرحمۃ کا مسلک ہے۔ اور اسی پر حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالحسن نوری اور حضرت حارث محاسبی اور دیگر اہلِ حقائق کا اتفاق ہے۔ لیکن جو اربابِ عمل ہیں جیسے حضرت سہل

بن عبداللہ تستری اور حضرت ابو سلیمانی دارانی اور حضرت ابو حمدون قصار۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ شرطِ ولایت مداومتِ طاعت ہے۔ یہاں تک کہ اگر ولی کے دل پر کسی کبیرہ کا خطرہ بھی گذرتا ہے تو وہ ولایت کے منصب سے معزول ہو جاتا ہے۔ لیکن میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اس امر پر اُمّت کا اجماع ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کوئی بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ پس یہ ولایت اس ولایت سے زیادہ فضیلت والی تو نہیں۔ لہٰذا جب ولایتِ معرفت جو تمام کرامات کی اصل ہے۔ معصیت سے ساقط نہیں ہوتی تو یہ محال ہے کہ جو ولایت شرف اور کرامت کے اعتبار سے اُس سے کمتر ہے وہ ارتکابِ معصیت زائل ہو جائے۔ مشائخ کے مابین یہ بہت بڑا اختلاف ہے جسے یہاں ثابت کرنا میرا مقصد نہیں۔ لیکن اس باب میں سمجھنے میں مشکل ترین چیز یہ ہے کہ علم یقین کے ساتھ جاننا چاہیئے کہ ولی پر کرامت کس حالت میں ظاہر ہوتی ہے۔ صحو میں یا سکر میں غلبہ میں یا تمکین میں۔ صحو اور سکر کی تشریح تو ہم حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے مسلک کے بیان میں مفصل کر چکے ہیں۔ مگر حضرت بایزید بسطامی اور حضرت ذوالنون مصری اور حضرت محمّد بن خفیف اور حضرت حسین بن منصور اور حضرت یحیٰی بن معاذ اور صوفیائے کرام کی ایک جماعت اس مذہب پر ہیں کہ ولی اللہ پر کرامت کا ظہور اس کے حالتِ سکر میں ہونے کے علاوہ کسی حالت میں نہیں ہوتا۔ اور جو بحالتِ صحو ظاہر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ ولی کے پردہ میں نبی کا معجزہ ہے۔ ان کے مذہب کے مطابق معجزہ اور کرامت میں بھی بیّن فرق ہے کہ کرامات کا اظہار ولی کی حالتِ سکر میں ہوتا ہے جبکہ وہ مطلوب الحال ہو۔ اور اس کے لیے دعوت نہیں ہوتی اور نبی پہ اظہارِ معجزہ بحالتِ صحو ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اُس کا چیلنج کرے اور اس کا مقابلہ کر سکنے کی دعوت دے۔ اور صاحبِ معجزہ کو حکم کے

دونوں طرف کا اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ جہاں چاہے معجزے کو ظاہر کرے اور جہاں چاہے اُسے مخفی رکھے۔ لیکن اولیائے کرام کو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی کہ انھیں کرامت کے متعلق اختیار حاصل ہو۔ کیونکہ وہ کبھی کرامت ظاہر کرنے کی آرزو رکھتے ہیں لیکن وہ ظاہر نہیں ہوتی اور کبھی وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور وہ ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے کہ ولی صاحبِ دعوت نہیں ہوتا کہ اُس کا حال اوصاف کی بقاء کی طرف منسوب ہو بلکہ وہ تو خود کو چھپانے والا ہوتا ہے اور اُس کا حال صفات کے فنا کی طرف موصوف ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ایک شریعت والا ہوتا ہے اور دوسرا خود کو چھپانے والا۔ اس لیے یہ ضروری ہوا کہ غیبت، دہشت اور مدہوشی کے علاوہ کسی حالت میں کرامت ظاہر نہ ہو۔ اور اس میں تمام کا تمام تصرف اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہو۔ اور جس کی یہ حالت ہو اُس آدمی کی تمام گفتگو اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جس میں خصائل بشریت کماحقہ موجود ہوں وہ یا تو غافل ہوتا یا بھولنے والا اور یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے منہ موڑنے والا ہوتا ہے لیکن انبیائے کرام علیہم السلام نہ تو غافل ہوتے ہیں اور نہ ہی بھولنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑنے والے بجز احمقوں کے کوئی نہیں ہوتے۔ یہاں اس طرح کا تلوّن و تردّد موجود ہے نہ کہ تحقیق و تمکین۔ اور اولیائے رحمٰن جب تک اپنی بشریت کے حال کے ساتھ قائم رہیں تو اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ سے محجوب رہتے ہیں لیکن جب انھیں مشاہدۂ حق نصیب ہو جائے تو وہ مدہوش اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کی حقیقت میں متحیّر ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس کے اندر اظہارِ کرامت ہوتا ہے بجز اس کے نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہی درجۂ تقرّب ہے۔ اور یہی وہ مقام اور وقت ہے کہ عارف کی نگاہ میں حجر و ذہب سب برابر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی حال میں انبیائے کرام علیہم السلام کے

بجز کسی انسان کو یہ حقیقت نہیں ملتی۔ مگر اسے جس میں عاریتہ یہ کیفیت آجائے اور یہ کیفیت عاریتہ بجز سُکر کے نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ حضرت حارث بن زید رضی اللہ عنہ ایک دن دنیا سے جدا ہو گئے۔ اور دنیا و عقبیٰ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

عَرَضْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا فَاسْتَوٰی عِنْدِیْ حَجَرُهَا وَ ذَهَبُهَا وَ فِضَّتُهَا وَ مَدَرُهَا۔

میں نے اپنے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا تو میرے نزدیک پتھر اور سیم و زر اور کنکر سب برابر ہو گئے۔

پھر اگلے دن لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ خرما کا کام کر رہے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا حارث کیا کر رہے ہو۔ فرمایا روزی ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پس اُس وقت اس حالت میں تھے اور اُس وقت اُس حالت میں۔ پس اولیائے کرام کے صحو کا مقام، عوام کا درجہ ہوتا ہے اور اُن کے سُکر کا مقام انبیاء کا درجہ ہوتا ہے۔ اور جب وہ اس درجہ سے واپس آجاتے ہیں تو خود کو عام لوگوں کا ایک فرد سمجھتے ہیں۔ اور جب خود سے غائب ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں تو اُن کا سُکر پاکر صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ بارگاہِ خداوندی کے لیے مہذب ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت تمام جہان اُن کے حق میں مثل سونے کے سمجھتے ہیں۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

ذَهَبٌ اَیْنَمَا ذَهَبْنَا وَ دُرٌّ
حَیْثُ دُرْنَا وَ فِضَّةٌ فِی الْفَضَاءِ

جہاں ہم گئے سونا ہی تھا اور جہاں ہم نے دورہ کیا موتی ہی ملے اور میدانوں میں چاندی ہی چاندی تھی۔

اور میں نے حضرت ابو القاسم قشیری علیہ الرحمۃ سے سُنا ہے کہ آپ کا فرمان

عالی شان ہے کہ:۔

"میں نے حضرت الجرانی علیہ الرحمۃ سے اُن کے ابتدائی حالات کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا ایک دفعہ مجھے پتھر کی ضرورت تھی تو سرخس کی ندی سے جو پتّھر بھی پکڑتا تھا وہ ایک موتی بن جاتا تھا اور میں اسے پھینک دیتا۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ ان کی نظر میں موتی اور پتّھر برابر تھے بلکہ اس لیے کہ آپ کو پتّھر کی حاجت تھی موتی درکار نہیں تھا۔"

حضرت خواجہ امام خزائی علیہ الرحمۃ سے میں نے سرخس میں خود سُنا ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"میں بچپن میں ریشم کے کیڑوں کے لیے شہتوت کے پتّے لینے ایک محلّہ میں گیا اور شہتوت کے درخت پر چڑھ گیا اور درخت کی شاخ کاٹنے لگا۔ میں درخت پر ہی تھا کہ شیخ ابوالفضل ابن الحسن علیہ الرحمۃ کا اس گلی سے گزر ہُوا نہ تو اُنہوں نے مجھے دیکھا اور نہ ہی مجھے کوئی شک گزرا کہ وہ حالتِ سُکر میں ہیں اور ان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہے۔ کہ آپ نے یکایک سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا اے الہ العالمین ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے کہ تو نے مجھے ایک دانگ بھی نہ دیا کہ سر کے بال تو درست کرا لیتا۔ کیا اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ حضرت امام خزاعی کا فرمان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اُسی وقت درختوں کے تمام پتّے، ٹہنیاں اور جڑیں سنہری ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا عجب معاملہ ہے کہ ہمارا مقصد تو دنیا سے اعراض ہے۔ لیکن دل کی فراخی کے لیے تجھ سے کوئی بات بھی نہیں کر سکتے۔"

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے بارے میں حکایت ہے کہ:۔

" حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ چار ہزار دینار دریائے دجلہ میں پھینک دیئے۔ لوگوں نے کہا حضرت کیا کر رہے ہو۔ فرمایا پتھروں کو پانی میں رہنا بہتر ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت، بجائے اس کے کہ دریا میں پھینکنے لوگوں کو کیوں نہ دے دیئے۔ فرمایا تم لوگ بھی خوب ہو۔ میں اپنے رب سے اس بات کا خواستگار ہوں کہ میرے قلب سے پردہ اُٹھ جائے اور اس کو اپنے بھائی مسلمانوں پر ڈال دوں۔ حالانکہ دین کی یہ شرط نہیں کہ مسلمان بھائیوں کے لیے اپنے سے زیادہ بُرائی چاہوں اور یہ تمام سُکر کے حالات ہیں۔ جس کی تشریح پہلے کر چکا ہوں۔ یہاں تو اس کے بیان سے مقصود صرف کرامت کا ثابت کرنا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ، حضرت ابوالعباس سیتاری، حضرت ابو بکر واسطی اور حضرت محمد بن علی الترمذی جو اربابِ طریقت ہیں، اُن کا مذہب یہ ہے کہ کرامت صحو و تمکین کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے نہ کہ حالتِ سُکر میں۔ اس لیے کہ اولیائے رحمٰن مدیرانِ ملک اور احوالِ عالم کے خبر دار اور تمام جہان کے والی ہوتے ہیں اور دنیا کا نظام ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اولیاء رحمٰن ملک کے تدبیر کنندہ اور دنیا کے احوال سے باخبر ہیں۔ اور اللہ سُبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے اُن کو عالم کا والی بنایا ہے۔ اور دنیا کا حل و عقد اُن کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور جہاں کے معاملات کو ان کے ارادوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔ پس ہونا یہ چاہیئے کہ ان کی تمام آراء پر فائق ہو۔ اور تمام قلوب کے مقابلے میں مخلوق کے ساتھ ان کا دل شفیق تر ہو۔ کیونکہ یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ان کی ابتدائے حال تلوین و سُکر ہوتا ہے۔ اور جب بارگاہِ خداوندی میں رسائی حاصل ہو جائے تو تلوین، تمکین کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ اور جب بارگاہِ خداوندی

میں رسائی حاصل ہو جائے تو تلوین، تمکین کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہے ۔ پھر وہ صحیح معنوں میں ولی اللہ بن جاتا ہے اور اُس کی کرامات بھی درست ہوتی ہیں ۔ اور اہل طریقت میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ اوتاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر شب تمام دنیا کے گرد ایک چکر لگائے ۔ اور اگر کوئی ظاہر ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُن کو اپنے وقت کے قطب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ اپنی توجہ اس طرف مبذول کرے ۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی برکت سے اُس خرابی کو ختم کر دیں ۔ اور جن حضرات کا یہ قول ہے کہ اہلِ معرفت کے نزدیک سونا اور پتھر برابر ہیں ۔ یہ حقیقت میں سُکر کی کیفیت ہے اور دیدارِ یار میں نقصان اور کمی کے اندر رہتا ہے اور یہ کوئی عظیم کمال نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ عارف کی نگاہ میں سونا سونا ہو اور پتھر پتھر ہو مگر ان کی آفات پر ان کی نگاہ ہو تاکہ وہ کہہ سکیں ۔

یَا صَفْرَآءُ یَا بَیْضَاءُ غَیرِّی ‏ ‏ ‏ ‏ اے زرد سونے اور اے سفید چاندی میرے

غَیرِی لَا تَغُرُّنِی معکما ‏ ‏ ‏ ‏ بجز کسی اور کو مغرور بنا میں تیرے ساتھ

مغرور نہیں ہو سکتا ۔

تو جس پر چاندی سونے کی آفت منکشف ہے اس کے لیے یہ سونا چاندی محل آفت نہیں اور اس سے ان پر پردہ نہیں آتا بلکہ حقیقت میں اسے وہ ترک کرتے ہیں اور اس کا ثواب حاصل کرتے ہیں ۔ پھر جب کسی آدمی کو سونا بھی ڈھیلا ہی لگتا ہے تو اس کا ڈھیلے کو ترک کرنا صحیح نہ ہوا ۔ تم نے دیکھا نہیں کہ جب حضرت حارث حالتِ سُکر میں تھے تو اُنہوں نے کہا کہ سونا، پتھر، چاندی اور ڈھیلا میرے نزدیک سب کے سب ایک جیسے ہیں ۔ اور سیدنا حضرت صدیق اکبر خلیفۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم صاحبِ صحو تھے اُنہوں نے دنیا کا مال سنبھال رکھنے کی آفت دیکھی اور اُسے چھوڑنے کا طریقہ اختیار کیا اور انہیں ان کا ثواب بھی معلوم ہو گیا تو اُنہوں نے اس سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا یہاں تک کہ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اے ابو بکر بیوی بچوں کے لیے گھر میں کیا چھوڑا

تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا :
" یا رسول اللہ میں گھر میں اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ آیا ہوں "۔
حضرت ابو بکر وراق ترمذی علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ :
" ایک دن حضرت محمّد بن علی علیہ الرحمۃ نے مجھ سے کہا اے ابو بکر وراق ہم تجھے آج ایک جگہ لے جائیں گے ۔ میں نے عرض کیا جو میرے شیخ کا حکم ہو میں تعمیل کروں گا ۔ چنانچہ میں اپنے شیخ کے ساتھ چل پڑا ۔ ابھی کچھ دیر ہوئی تھی کہ میں نے ایک بہت بڑا جنگل دیکھا جس کے درمیان ایک سبز درخت کے نیچے ایک سنہری تخت بچھا ہوا تھا ۔ قریب ہی پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا اور تخت پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جو بہت ہی عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے تھا ۔ جب حضرت محمد بن علی علیہ الرحمۃ اُس کے نزدیک پہنچے تو وہ تخت سے اُٹھا اور آپ کو تخت پر بٹھا دیا ۔ کچھ دیر بعد اردگرد سے کچھ لوگوں کی آمد ہوئی حتٰی کہ چالیس آدمی یہاں آ جمع ہوئے ۔ اُس بزرگ نے ایک اشارہ کیا تو فوراً آسمان سے خورد و نوش کی اشیاء کا نزول ہُوا ۔ ہم سب نے اُن میں سے کھایا ۔ پھر حضرت محمّد بن علی علیہ الرحمۃ نے اُس بزرگ سے ایک سوال کیا تو اُنھوں نے اس سوال کے جواب میں طویل گفتگو کی ۔ یہ تمام گفتگو میری سمجھ سے باہر تھی ۔ پھر کچھ دیر کے بعد حضرت محمّد بن علی علیہ الرحمۃ نے اجازت لی اور واپسی کا دم بھرا اور مجھ سے کہا جا تو اب نیک اور سعید ہو گیا پھر کچھ عرصہ بعد جب ہم ترمذ سے واپس آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ وہ کونسا مقام تھا اور وہ جو صاحبِ تخت تھا وہ کون شخص تھا ۔ فرمایا وہ مقام تیہ بنی اسرائیل تھا اور وہ بزرگ قطب مدار کے منصب پر تھے ۔ میں نے کہا یا حضرت اس قدر مدّت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں ہم کیسے پہنچ گئے ۔ تو اُنھوں

نے فرمایا اے ابو بکر تجھے پہنچنے سے کام تھا پوچھنے سے کام نہیں ہے۔ یہ نشانی صحتِ حال کی ہے نہ کہ سکر کی ہے۔

میں اس بحث کو مختصر کرتا ہوں کیونکہ اگر ہم اس کی تفصیل کی طرف مشغول ہو گئے تو کتاب لمبی ہو جائے گی۔ اور مقصد فوت ہو جائے گا۔ پس کرامات و حکایات میں سے بعض وہ دلائل جو کتاب ہٰذا کے بارے میں ہیں اب میں انہیں بیان کروں گا تاکہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ شاملِ حال ہو تو ان کی قرأت سے مریدین کو نصیحت، علمائے کرام کو سکون اہلِ تحقیق کے لیے یاد دہانی اور عوام کو یقین حاصل کرنے میں مدد ملے اور ان کے شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا۔ کیونکہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے توفیق کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اولیاء اللہ کی کرامات کا اثبات و انکشاف :۔

جاننا چاہیئے کہ جب کرامات کا اثبات عقلی دلائل سے ثابت ہو گیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نقلی دلائل سے بھی اس کا اثبات روشن ہو جائے۔ اور جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور کتاب و سنّت سے اس کا اثبات ملتا ہے تو اس کا منکر ہونا نص کا منکر ہونا ہے۔

اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے قرآن مجید فرقانِ حکیم میں ارشاد فرمایا :۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۔ اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔

منکرین میں سے اگر کوئی یہ کہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا معجزہ تھا تو میں یہ جواب دُوں گا کہ یہ درست ہے اس لیے کہ اولیاء کی کرامات سب کی سب حضرت محمّد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا معجزہ ہی تو ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی موجودگی میں تھا لیکن یہ حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات

کی غیبت میں ظاہر ہونے والی کرامت ہے یہ کس طرح آپ کا معجزہ ہوگی۔ تو میں جواب دوں گا کہ وہاں جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن سے غائب ہو کر طور پہاڑ پر تشریف لے گئے تو یہ سلسلہ اُس وقت بھی جاری رہا۔ تو جب غیبتِ مکان میں ان کا معجزہ جائز ہے تو اس مقام پر صرف غیبوبیّت زمانی حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور اولیائے کرام کا موجود ہونا ان کے زمانہ کی دلیل ہے۔ تو ایسی صورت میں حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے معجزات کا ظہور بپرده اولیاء میں کیوں ناجائز ہو۔ اسی طرح اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آصف بن برخیا کی کرامت کی خبر دی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ ضرورت پیش آئی کہ تختِ بلقیس اُس کے آنے سے قبل آئے اور فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس تخت کو بلقیس کے آنے سے قبل ہمارے روبرو پیش کردے۔ ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ۔

جنات میں سے ایک جن نے کہا میں اس کو آپ کے پاس آپ کے دربار سے اُٹھنے سے قبل لا سکتا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

"اس سے بھی قبل پیش کیا جانا چاہیئے"

تو حضرت آصف بن برخیا نے بارگاہِ سلیمانی میں عرض کیا:

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ

میں اس کو آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے قبل وہ تخت حاضر کیے دیتا ہوں۔

پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا:۔

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔

یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔

آصف بن برخیا کی اس گفتگو سے حضرت سلیمان علیہ السّلام نہ تو اس پر ناراض ہوئے اور نہ ہی انکار کیا اور نہ ہی اسے مشکل سمجھا۔ اور یہ کسی قسم کا بھی معجزہ نہیں تھا کیونکہ آصف بن برخیا نبی نہیں تھے۔ اُسے کرامت ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ اگر معجزہ ہوتا تو اس کا اظہار حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ہاتھ پر ہوتا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے قصہ مریم سلام اللہ علیہا میں خبر دی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السّلام حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لائے تو آپ کے پاس موسمِ گرما کے موسمِ سرما میں پھل تھے اور موسمِ سرما میں موسمِ گرما کے پھل تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے ان سے پوچھا:۔

أَنّٰى لَكِ هٰذَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ — اے مریم! یہ پھل تمھارے پاس کہاں سے آئے۔ جواب دیا یہ اللہ کے پاس سے آئے۔

حالانکہ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا انبیاء میں سے نہیں تھیں۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں نہایت روشن پیرائے میں ان کی حالت کی خبر دی ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَهُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ — اے مریم! تو کھجور کے اس تنے کو اپنی جانب ہلا۔ تجھ پر یہ تازہ کھجوریں گرائے گا۔ نیز اصحابِ کہف کے حالات، آپ کے ساتھ کتّے کا محوِ گفتگو ہونا، اُن کا سونا اور غار میں انھیں دائیں بائیں کروٹ بدلوانا۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ۔ — اور ہم دائیں بائیں اُن کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتّا بازو پھیلائے بیٹھا ہے۔

اور یہ تمام باتیں خارق عادات اُمور میں سے ہیں۔ اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ یہ

یہ معجزہ نہیں تو لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ یہ کرامت ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کرامت زمانہ تکلیف میں اُمورِ موہومہ کے لیے مانگی جانے والی دعاؤں کی قبولیت کا نتیجہ ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک گھڑی میں بہت سی مسافت طے کرانا ہو۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ نامعلوم جگہ سے طعام ظاہر کرنے کی صورت میں ہو اور یہ بھی رَوا ہے کہ لوگوں کے اندیشوں پر باخبر ہونے کی صورت میں ہو۔ ایک صحیح روایت میں ارشادِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحابہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سابقہ اُمم کا کوئی عجیب وغریب واقعہ سُنائیے، تو آپ نے فرمایا۔

”تم سے قبل ایک اُمت کے تین شخص کہیں جا رہے تھے۔ جب رات ہوئی تو اُنھوں نے ایک غار میں ٹھہرنے کا قصد کیا اور پھر غار میں جا کر سو گئے۔ جب رات کا کچھ حصّہ گزر گیا تو پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور اُس غار کا منہ بند ہو گیا۔ وہ متعجب ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے ہمیں اب اس سے کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ سوا اس کے اپنی عمر کے کسی نیک کام کو اللہ تعالیٰ کو پیش کر کے اسے بخشش کا وسیلہ بنایا جائے۔ ان میں سے ایک نے کہا میرے ماں باپ تھے اور میں دنیا کے مال ومتاع سے کچھ نہیں رکھتا تھا۔ بجز ایک بکری کے تو میں ہمیشہ اس بکری کا دودھ انھیں پلا دیتا تھا اور لکڑیوں کا گٹھا جو جنگل سے لاتا اُسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے سب کی پرورش کرتا۔ ایک دن مجھے دیر ہو گئی جب میں آیا تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں۔ میں نے بکری کا دودھ نکال کر اس میں روٹی بھگوئی اور ان کے سونے کی جگہ آ کر ان کے پاؤں کی جانب وہ پیالہ لیے کھڑا رہا حتیٰ کہ صبح ہوئی اور وہ بیدار ہوئے۔ اور جب

وہ کھانا کھا چکے تو پھر میں بیٹھا۔ وہ کہنے لگا اے اللہ العالمین۔ اگر میں اس معاملے میں سچا ہوں تو ہمارے لیے کشادگی پیدا فرما اور ہماری فریاد کو پہنچ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ فوراً اُس پتھر نے ایک جنبش لی اور ایک شگاف ظاہر ہو گیا۔ دوسرے آدمی نے کہا میرے چچا کی ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ میرا دل اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ میں اُس کو اپنی طرف دعوت دیتا تھا لیکن وہ مانتی نہ تھی۔ حتٰی کہ ایک دفعہ بڑے بھاؤں سے ایک سو بیس دینار میں نے اس طرف بھیجے تا کہ ایک شب میرے ساتھ تنہائی کرے۔ وہ راضی ہو گئی۔ لیکن جب وہ میرے پاس پہنچ گئی تو میرے دل میں خوفِ الٰہی پیدا ہو گیا اور میں نے اُس سے ہاتھ کھینچ لیا اور وہ دینار بھی اس کے پاس ہی رہنے دیئے۔ اُس نے کہا اے اللہ العالمین میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے تو ہمیں رہائی نصیب فرما۔ حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس وقت ایک پتھر میں ایک بار پھر جنبش پیدا ہوئی اور وہ شگاف زیادہ ہو گیا۔ لیکن ابھی تک وہ اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ تیسرے آدمی نے کہا میرے پاس مزدور کام کرتے تھے۔ دن گذرنے پر سب اپنی اپنی مزدوری لے جاتے تھے۔ ایک دن ایک مزدور غائب ہو گیا اور اس کی مزدوری میرے پاس رہ گئی۔ میں نے اس سے گوسپند خرید لیا۔ دوسرے سال وہ دو گوسپند ہو گئے پھر وہ تیسرے سال چار ہو گئے۔ اسی طرح ہر سال بڑھتے رہے۔ جب چند سال گذر گئے تو مال بہت زیادہ بن گیا کہ وہ مزدور بھی آ گیا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مزدوری کی تھی شاید آپ کو بھی یاد ہو گا۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے تو مجھے دے دیجئے۔ میں نے کہا وہ تمام گوسفند اور مال ملک تیرا ہی ہے تو لے لے۔ تو مزدور نے کہا آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں میں، میں سچ بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے وہ مال اُس کے حوالے کر دیا اور وہ

لے گیا۔ اَب وہ کہنے اے الٰہ العالمین۔ اگر میں اس بات میں سچّا ہوں تو تو ہمارے لیے کشادگی عطا فرما۔ حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا اَب وہ پتھر غار کے دہانے سے دُور ہٹ گیا۔ حتیٰ کہ وہ تینوں غار سے باہر آ گئے۔" یہ فعل بھی ناقضِ عادت تھا۔ اور حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے حدیث جریج معروف ہے۔ اور حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیّد عالم نورِ مجسم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

" زمانۂ بچپن میں گہوارے میں تین اشخاص کے سوا کسی نے ہمکلام نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہیں۔ اُن کے بارے میں سب کو خبر ہے۔ دوسرے بنی اسرائیل میں ایک راہب جس کا نام جریج تھا۔ وہ خود بہت بڑا صاحبِ مجاہدہ تھا اور آپ کی والدہ بھی نہایت پردہ دار عورت تھیں۔ ایک روز وہ اپنے صاحبزادے کی ملاقات کے لیے آئیں تو آپ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے عبادت خانے کا دروازہ نہ کھولا۔ پھر دوسرے تیسرے روز ایسا ہی ہُوا تو ماں نے تنگدل ہو کر کہا الٰہی اسے رُسوا کر میرا بیٹا ہوتے ہوئے بھی میرے ماں ہونے کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس زمانہ میں ایک بدچلن عورت تھی اُس نے کسی گروہ سے عہد کیا کہ میں جریج کو گمراہ کروں گی چنانچہ وہ عبادت خانہ میں داخل ہو گئی مگر جریج نے اُس کی طرف دھیان نہ کیا۔ اُس نے کسی بکریاں چرانے والے کے ساتھ زنا کیا اور حاملہ ہو گئی۔ جب بچہ پیدا ہُوا تو اس نے جریج کا نام لگا دیا۔ لوگ اجتماع کی صورت میں حضرت جریج پر ٹوٹ پڑے۔ حتیٰ کہ انھیں گرفتار کر کے بادشاہ کی عدالت میں پیش کر دیا۔ جب جریج کو پیش کیا گیا تو جریج کے زانیہ کے گود کے بچّے سے فرمایا

اے بچّے! تیرا باپ کون ہے تو وہ دودھ پیتا بچّہ ماں کی گود میں بول پڑا۔ اے جریج میری ماں نے تجھ پر بہتان لگایا ہے میرا باپ تو چرواہا ہے۔ اور تیسرا بچّہ وہ کہ اُس کی ماں اُسے گود میں لیے اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھی تھی کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان گھوڑے پر سوار وہاں سے گزرا عورت نے دعا کی اے میرے پروردگار! تو میرے اس بچے کو اس سوار جیسی شان وشوکت عطا کرنا۔ بچہ بولا۔ الٰہی مجھے اس جیسا ہرگز نہ کرنا۔ کچھ دیر گذری تو ایک بدنام عورت وہاں سے گذری۔ بچّے کی والدہ نے دعا کی اے اللہ! میرے بچّے کو اس عورت جیسا نہ کرنا۔ مگر بچّہ نے کہا اے اللہ العالمین! مجھے اس عورت کی طرح بنا دے۔ ماں نے بچہ کی یہ بات سُن کر حیرانی کے عالم میں کہا بیٹا تم نے یہ الفاظ کیوں کہے۔ بچّہ نے جواباً کہا ماں! وہ سوار آدمی ایک بہت بڑا ظالم تھا اور یہ ایک نہایت صالح عورت تھی۔ لیکن لوگ اسے اپنی طرف سے ہی بُرا کہتے ہیں اور اس کی نیکی کا علم نہیں رکھتے۔ میں ظالم نہیں بننا چاہتا میں صالحین میں اپنا شمار چاہتا ہوں۔"

اسی طرح ایک حدیث زاہدہ کنیز کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے کہ وہ ایک روز حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے لگیں۔ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"اے زاہدہ تم یہاں دیر سے کیوں آتی ہو؟ ہر وقت تیرا انتظار کیا جاتا ہے اور تمہیں دوسروں پر ترجیح دی جاتی ہے۔"

زاہدہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا:۔

"اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم آج میں ایک عجیب خبر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں"۔

آپ نے زاہدہ سے دریافت کیا وہ کونسی خبر ہے؟ زاہدہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کرتے ہوئے کہا۔

"اے اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں صبح سویرے ایندھن کی جستجو میں بیابان کی طرف گئی۔ بیابان سے جب ایک گٹھا باندھ کر میں نے ایک پتھر پر رکھ لیا تاکہ میں اسے اُٹھالوں تو میری نگاہ اچانک آسمان پر پڑی تو دیکھا کہ آسمان سے ایک سوار زمین پر آیا اور مجھے سلام کہہ کر گویا ہوا کہ حضرت محمّد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں میری جانب سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ رضوان خازن جنّت نے عرض کیا ہے کہ آپ کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ آپ کی اُمّت کے لیے بہشت بریں تین طرح تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک تو اس جماعت کے لیے جو جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخل ہوگی۔ دوسرا حصّہ وہ جماعت جو آسان حساب وکتاب سے جنّت میں داخل ہوگی۔ تیسری جماعت وہ جو حضور نبیُ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی شفاعت سے جنّت میں داخل ہوگی"۔

یہ کہا اور پھر آسمان کی طرف چلا گیا اور زمین و آسمان کے درمیان پہنچ کر اُس نے میری طرف توجہ کی تو مجھے اس حالت میں پایا کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا اُٹھانا چاہتی ہوں لیکن اُٹھانے سے قاصر ہوں۔ اُس نے آواز دی اے زاہدہ اس گٹھے کو پتھر پر ہی چھوڑ دے اور اُس پتھر سے کہا اے پتّھر اس گٹھّے کو زاہدہ کے ہمراہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے پر لے جاؤ۔ پھر وہ پتّھر لکڑیوں کے اس گٹھے کو

اُٹھا کر میرے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے تک لایا ہے ۔ یہ سُن کر حضور سید العالمین علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم صحابہ کرام کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے دروازے پر تشریف لائے ۔ اور اُس پتھر کے آنے اور جانے کے نشانات دیکھ کر فرمایا :۔

" اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کا نہایت شکر ہے کہ مجھے اس جہان سے پردہ کرنے سے پہلے ہی رضوان کے واسطہ سے مجھے میری اُمّت کے متعلّق خوشخبری دی ہے اور میری اُمّت کی ایک عورت کو حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے منصب تک پہنچا رہا ہے ۔"

اور مشہور و معروف ہے کہ حضور نبی کریم وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت علاء بن الحضرمی کو ایک غزوہ پر بھیجا ۔ راستے میں دریا کا پانی آپ کے سامنے آگیا آپ نے پاؤں پانی پر رکھا اور تمام لشکر اسی طرح دریا پار کر گیا کہ کسی کے پاؤں کو پانی نے نہیں چھوا ۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے بیابان میں دیکھا کہ ایک جماعت رُکی ہوئی ہے اور شیر اُس جماعت کا راستہ روکے ہوئے ہے ۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر شیر سے فرمایا :۔

" اے کُتّے اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے راستہ روکے ہوئے ہے تو راستہ روکے رکھ ورنہ ان کا راستہ خالی کر دے اور ہمیں راستہ دے تاکہ ہم گزر سکیں ۔"

وہ شیر اپنی دم ہلاتے ہوئے راستہ سے ہٹ گیا ۔ اور راستہ خالی ہو گیا اور لشکری آسانی سے گزر گئے ۔

حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ جو اپنے عہد کے قطب الاقطاب میں سے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور و معروف ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو ہوا میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اُس شخص سے دریافت کیا:۔

"اے اللہ کے بندے تم نے یہ مقام کس عمل سے پایا ہے۔"

اُس شخص نے کہا:۔

"معمولی سی شے کے بدلہ میں یہ منصب نصیب ہو گیا ہے۔"

آپ دریافت کیا:۔

"وہ کون سی معمولی سی شے ہے۔"

اُس شخص نے جواب دیا:۔

"میں نے اپنا منہ دنیا سے موڑ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان کی طرف کر لیا ہے۔ تو مجھ سے دریافت کیا گیا اب کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا میری آرزو ہے کہ ہوا میں میرا ٹھکانہ بنا دیا جائے تا کہ میرا دل مخلوق سے جُدا ہو جائے۔"

جب ایک نوجوان مرد مدینہ میں آیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا تو بتایا گیا کہ آپ اس خانہ خراب سے اپنی جان کو بے خبر کیے ہوئے ہیں وہ چلا اور حضرت فاروق اعظم سے ملا۔ دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں زمین پر اور اپنا دُرّہ سر کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔ تو اس نے اپنے دل سے بات کی اور کہا:۔

"اے عجمی! ساری دنیا میں اسی وجہ سے تو فتنہ بپا ہے اس وقت اس کو قتل کرنا میرے لیے بڑا آسان ہے۔ یہ سُن کر جونہی اُس نے تلوار کھینچی کہ اچانک دو شیر ظاہر ہوئے جو اس جوان کی طرف جھپٹ رہے

تھے۔ جوان یہ دیکھ کر پکار کر فریاد کرنے لگا کہ حضرت امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔"

آپ نے اس حالت سے دریافت کیا۔ اُس نے سب کہانی سُنائی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سوادِ عراق میں تھے تو بادشاہ کی طرف سے ایک پہلوان جو تحائف لے کر آیا اُس میں ایک شیشہ بھی تھا جو ڈبیہ کی شکل کا تھا جس میں سخت زہر تھا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ قیمتی چیز اس بادشاہ نے خزانے میں نہیں۔ حضرت خالد بن ولید نے وہ شیشہ کھولا اور کفِ دست پر اس سے ڈالا اور بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈال لیا۔ آپ کو اس سے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا لوگ حیران ہو گئے اور بہت سے صراطِ مستقیم پر آ گئے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ عبادانِ خاص میں سے ایک سیاہ فام بیابان میں رہتے تھے۔ ایک روز آپ نے ان کے لیے کچھ بازار سے خریدا اور ان کے پاس لے گئے اُنھوں نے فرمایا:۔

"یہ کیا ہے؟"

فرمایا:۔

"حضرت کچھ کھانا ہے آپ کے لیے لایا ہوں کہ شاید آپ کی ضرورت ہو۔"

تو اُنھوں نے میری طرف اشارہ کر کے ہنس دیا۔ میں نے دیکھا کہ جنگل کے روڑے پتھر سب سونے کے تھے۔ میں شرمندہ ہوا اور جو کچھ لے گیا تھا سب وہیں چھوڑ کر ان کی ہیبت سے بھاگا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک چرواہے

کے قریب سے گذرا۔ میں نے اُس سے پانی مانگا۔ اُس نے مجھ سے کہا:۔

"میرے پاس دودھ بھی ہے اور پانی بھی ہے۔ تم کیا آرزو رکھتے ہو۔"

میں نے کہا:۔

"میں پانی پینے کی آرزو رکھتا ہوں۔"

وہ اُٹھا اور اپنا عصا ایک پتھر پر مارا تو اُس میں بہت عمدہ اور شفاف پانی بہہ نکلا۔ میں یہ دیکھ کر نہایت حیران و پریشان ہُوا تو اُس نے مجھ سے کہا:۔

"حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب کوئی شخص اللہ سبحانہ و تبارک و تعالیٰ کا اطاعت گذار بندہ بن جاتا ہے تو ساری دنیا اس کی اطاعت کرتی ہے۔"

حضرت ابو الدرداء اور حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہما باہم بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے کہ پیالہ سے تسبیح کی آواز سُنائی دی۔

حضرت ابوسعید خزار علیہ الرحمۃ سے مروی ہے آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"کچھ عرصہ تک میرا یہ معمول رہا کہ میں ہر تین روز کے بعد ایک مرتبہ کھانا تناول کیا کرتا تھا۔ میں ایک مرتبہ بیابان میں جا رہا تھا کہ تین روز کے بعد اور تین روز گذر گئے لیکن مجھے کھانا میسّر نہ ہُوا۔ میرا جسم نہایت ضعیف ہو گیا۔ طبیعت حسب عادت کھانے کی مقتضی تھی کہ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ پھر ہاتف نے ندا دی،۔ اے ابوسعید نفس کی تسکین کے لیے کچھ کھانا چاہتے ہو یا بغیر کھانا کھانے کے ہی سُستی اور ضعف کو ختم کرنے کے لیے کوئی اور واسطہ چاہتے ہو۔ میں نے کہا اے الٰہ العالمین میں چلنے پھرنے کی طاقت کی خواہش رکھتا ہوں۔ پس مجھ میں طاقت پیدا ہو گئی اور اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کے علاوہ بارہ منازل اور بغیر کھانا کھائے طے کر لیں۔"

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری علیہ الرحمۃ کے مکان کو تستر میں بیت السباع کا نام دیا جاتا تھا اس لیے تستر کے مکین متفقہ طور پر کہتے تھے کہ سہل بن عبداللہ کے پاس درندے شیر وغیرہ حاضر ہو کر آپ سے کھانا وغیرہ کھاتے تھے۔ اور آپ اُن سے بہت پیار کرتے تھے۔

حضرت ابو القاسم مروزی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ حضرت ابو سعید خزار کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ دریا کے کنارے ایک نوجوان نظر آیا جو گدڑی زیب تن کیے ہوئے تھا اور ایک توشہ دان اُس نے اپنے کندھے کے ساتھ لٹکا رکھا تھا۔ حضرت ابو سعید علیہ الرحمۃ نے نوجوان کے چہرے کو دیکھ کر فرمایا:

"اس جوان کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملہ میں کوئی چیز ضرور ہے کہ جب میں اس کے اندر نظر کرتا ہوں تو مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ اللہ سُبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کر چکا ہے لیکن جب اس کے توشہ دان کی طرف نظر کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ راستہ کی تلاش میں ہے۔ آؤ اس سے دریافت کریں کہ وہ کیا چیز ہے چنانچہ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا اے جوان! اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا کون سا راستہ ہے؟ نوجوان نے جواب دیا اللہ تبارک و تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک عام لوگوں کا راستہ اور دوسرا خاص لوگوں کا راستہ۔ خاص لوگوں کے راستے کے بارے میں تو تم کچھ نہیں جانتے۔ تاہم عام لوگوں کا وہی راستہ ہے جس پر تو چل رہا ہے اور اپنے معاملہ کو واصل بحق ہونے کی علت جانتا ہے اور حجرہ کو آلۂ حجاب سمجھتا ہے۔"

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ میں ایک دفعہ مصر سے

جدہ پہنچنے کے لیے مسافروں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہوا۔ کشتی میں ہمارے ساتھ ایک گدڑی پہنے ہوئے ایک نوجوان بھی سفر کر رہا تھا۔ میرے دل میں اس کے ساتھ دوستی کرنے کی تمنا تو تھی لیکن اس کا رعب مجھے اس کے ساتھ گفتگو کرنے سے روکے ہوئے تھا کیونکہ وہ اپنے معمولات میں بڑا سخت تھا اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک روز ایک ساہوکار کا قیمتی گوہر گم ہو گیا اور گوہر کے مالک نے اسی جوان پر چوری کا بہتان لگا دیا۔ کشتی چلانے والوں نے اس جوان پر سختی کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ لیکن میں نے انھیں سمجھایا کہ صرف شک کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا سلوک ناروا ہے۔ مجھے اس سے بہتر طور پر دریافت کر لینے دو۔ میں اُسے ایک جانب لے گیا اور بڑی نرمی سے اُسے بتایا کہ ان لوگوں نے اس طرح تجھے چور بنایا ہُوا ہے۔ لیکن میں ابھی تک انھیں سختی کرنے سے روکے ہُوا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ کیسے ہونا چاہیئے؟ میری یہ باتیں سُن کر اُس نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر لیا اور کچھ منہ میں کہا۔ میں نے دیکھا کہ اچانک بکثرت مچھلیاں پانی کی سطح پر ظاہر ہوئیں کہ ان میں سے ایک کے منہ میں ایک قیمتی گوہر موجود تھا۔ اُس جوان نے ان میں سے ایک گوہر لیا اور اُس ساہوکار کو دے دیا۔ جب کشتی والوں نے دیکھا تو وہ نوجوان کشتی سے اُترا اور پانی کی سطح پر پاؤں رکھ کر روانہ ہو گیا۔ یہ گوہر چرانے والا ملاحوں میں سے ایک شخص تھا۔ اُس نے گھبرا کر وہ گوہر دے دیا اور کشتی والے سب کے سب شرمندہ منہ رہ گئے۔

حضرت ابراہیم رقی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے۔ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

”میں نے اپنی عمر کے پہلے حصے میں حضرت مسلم مغربی علیہ الرحمۃ سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ جب میں اُن کی مسجد میں حاضر ہُوا تو میں نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھا رہے ہیں اور الحمد شریف غلط پڑھ رہے ہیں۔ مجھے اس

سفر پر حیرانی ہوئی اور میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ محنت اکارت چلی گئی۔ میں نے رات تو بسر کی اور صبح سویرے غسل کرنے کے لیے دریائے فرات کے کنارے چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ راستہ میں ایک شیر سویا ہوا ہے۔ میں شیر کو دیکھتے ہی واپس اُلٹے پاؤں لوٹا تو شیر نے مجھے دیکھ کر میرا پیچھا کیا۔ میں گھبرا کر چیخنے لگا اس لیے کہ میں عاجز تھا۔ حتیٰ کہ حضرت مسلم مغربی علیہ الرحمۃ اپنے حجرے سے باہر آئے تو شیر آپ کو دیکھ کر دم ہلانے لگا۔ آپ نے شیر کا کان پکڑ کر فرمایا۔ اے خدا کے کُتے! میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ تم میرے مہمانوں کو تنگ نہ کیا کرو۔ پھر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے اسحٰق کے باپ تم لوگوں کا ظاہر درست کرنے میں مشغول ہو اس لیے کہ اللہ کی مخلوق سے خوف زدہ ہو اور ہم باطنِ حال مخلوق کی اصلاح کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخلوق ہم سے خائف ہے۔"

حضرت داتا غریب نواز علی ہجویری علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

"میرے شیخ پیر و مرشد نے ایک روز بیت الجن سے دمشق جانے کا قصد کر لیا۔ میں بھی اپنے شیخ کے ساتھ تھا کہ بارش نے برسنا شروع کر دیا۔ کیچڑ میں مجھ سے چلنا مشکل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے شیخ کے کپڑے اور جوتے خشک ہیں۔ میں نے تعجب خیز لہجے میں اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ اس کے خشک ہونے کا سبب کیا ہے تو میرے مرشدِ حقانی نے فرمایا۔ ہاں جب سے میں نے اپنی ہمت توکّل کی راہ سے اُٹھالی ہے۔ اور دل کی وحشت و حرص سے صاف کر لیا ہے۔ تو اللہ نے مجھے ہر قسم کے کیچڑ سے محفوظ کر لیا ہے۔"

پھر حضرت داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

" ایک وقت جبکہ میں سخت مشکل میں مبتلا تھا اور اس کا حل میری سمجھ سے باہر تھا تو میں حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی علیہ الرحمۃ کی ملاقات کا قصد کر کے طوس جانے کا ارادہ کیا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنے گھر کی مسجد میں اکیلے ہی تشریف رکھتے ہیں اور میرے اس حال کا تذکرہ مسجد کے ستون سے فرما رہے تھے۔ جس کی وجہ سے میں حاضر ہوا تھا۔ اور میں اپنے معاملے کا اسی گفتگو میں جواب پا رہا تھا۔ میں نے کہا یا حضرت آپ یہ کس سے بیان کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا بیٹا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ستون کو ابھی ابھی میرے سامنے بولنے کی طاقت دی تھی اور اُس نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا۔"

یاد رہے کہ فرغانہ کے اردگرد ایک گاؤں ہے جسے سلاتک کہا جاتا ہے۔ وہاں زمین کے اوتاد حضرات میں سے ایک بزرگ تھا جس کو باب عمر کے نام سے پکارا جاتا تھا اس علاقے کے تمام بزرگ مشائخ کو باب کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کی خدمت میں ایک فاطمہ نامی بڑھیا کا مسکن تھا۔ میں اُن سے ملاقات کرنے کے قصد سے روانہ ہوا اور جب اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے دریافت کیا کہ تم کس غرض سے آئے ہو۔ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں آپ سے ملاقات کر سکوں اور آپ مجھ پر نظرِ شفقت کریں۔ آپ نے فرمایا بیٹا میں تو فلاں روز سے تم پر برابر نظر کیے ہوا ہوں۔ اور جب تک میں تم سے غائب نہ ہو جاؤں میں برابر تمھیں دیکھتا رہوں گا۔

حضرت داتا غریب نواز علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

"جب میں نے دنوں اور سالوں کی گنتی کی تو یہ وہی دن تھا جب میرے تائب ہونے کا آغاز تھا۔ پھر اُنہوں نے فرمایا بیٹا مسافتیں طے کرنا تو بچّوں کا کام ہے لہٰذا اس ملاقات کے بعد کوشش کرو کہ تم حضورِ قلب حاصل کر سکو۔ کیونکہ حضورِ قلب سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ پھر اُس فاطمہ نامی بڑھیا سے فرمایا اے فاطمہ تو جو کچھ اپنے پاس رکھتی ہے اسے لے آؤ تاکہ یہ درویش کھالے۔ فاطمہ نامی عورت تازہ انگوروں کا طباق لے کر آئی حالانکہ اُس وقت انگوروں کا موسم نہیں تھا اور انگوروں کے ساتھ چند تازہ کھجوریں بھی تھیں۔ اُس وقت فرغانہ میں تازہ کھجوروں کا حاصل ہونا بھی نہایت مشکل تھا۔"

حضرت داتا غریب نواز علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

"میں ایک دفعہ ایک گاؤں جس کا نام مہنہ تھا وہاں حضرت شیخ ابو سعید علیہ الرحمۃ کی قبر تھی، میں قبر کے سرہانے حسب عادت اکیلا بیٹھا تھا کہ میں نے ایک سفید کبوتر کو دیکھا کہ وہ پرواز کرتا ہُوا آیا اور اُس کپڑے میں چھپ گیا جو آپ کی قبر پر پڑا تھا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ کسی کا پالتو جانور ہے جو کسی سے جان چھڑوا کر یہاں پناہ کے طور پر آ چھپا ہے۔ میں نے اُٹھ کر جب غلاف کے نیچے دیکھا تو وہاں کبوتر نہ پایا۔ پھر پے در پے کئی دن ایسا ہوتا رہا اور میں اس منظر کو دیکھ کر حیرانی میں ڈوب گیا۔ یہاں تک کہ ایک شب میں نے حضرت ابو سعید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے اُس واقعہ کی آگاہی چاہی تو آپ نے دورانِ خواب فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو ہر دن قبر میں میرے ساتھ مصاحبت کرتا ہے۔"

حضرت ابو بکر وراق علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ حضرت محمّد بن علی حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف کردہ کتاب سے مجھے چند اوراق دیئے اور فرمایا

کہ ان اوراق کو دریائے جیحون میں پھینک آؤ۔ میں نے جب کاغذات کو باہر نکل کر دیکھا تو
وہ کاغذ معرفت کے لطائف کا خزینہ تھے۔ میں نے چاہا کہ انھیں دریا میں نہ پھینکا جائے
اور میں نے ان اوراق کو گھر ہی میں رکھ لیا اور واپس آ کر کہہ دیا کہ میں دریا میں ڈال آیا ہوں۔ آپ
نے دریافت کیا کہ پھر تم نے کیا دیکھا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ آپ نے
فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اُن اوراق کو دریا میں نہیں پھینکا۔ میں نے سوچا کہ اب دو
مشکلات کا سامنا ہو گیا۔ ایک یہ کہ آپ نے تو دریا کے پانی میں پھینک دینے کا حکم دیا تھا
اور دوسری یہ کہ وہ کون سی دلیل ہے جو ان اوراق کو دریا میں ڈالنے سے ظاہر ہو گی۔ بہرحال
میں نے واپس آ کر اُن اوراق کو اُٹھایا اور درد دل کے ساتھ دریائے جیحوں کے کنارے
کھڑے ہو کر اُن اوراق کو دریا بُرد کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ دریا کا پانی دو حصّوں میں تقسیم
ہو گیا اور اُس میں سے ایک صندوق ظاہر ہوا جس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ یہ تمام اوراق اس
صندوق کے اندر جا پڑے تو صندوق کا ڈھکنا بند ہو گیا اور پانی اپنی پہلی سی حالت پر جاری
ہو گیا۔ میں واپس آ کر تمام ماجرا آپ کی خدمت میں بیان کر دیا تو آپ نے یہ سُن کر فرمایا
یہ واقعی صحیح ہے کہ اب تم نے اُن اوراق کو دریائے جیحوں میں ڈال دیا ہے۔ میں نے کہا
اے شیخ آپ کو خالق برحق کی قسم دیتا ہوں کہ اس راز کا انکشاف فرمائیے۔ آپ نے
فرمایا یہ یاد رہے کہ میں نے علم تصوّف پر ایک کتاب تحریر کی تھی جس کا سمجھنا اہل عقل کی سمجھ
سے باہر تھا اس لیے میرے بھائی حضرت خضر علیہ السّلام نے مجھ سے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے
دے دیجئے۔ آپ کے حکم کے تحت وہ صندوق آیا تھا اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے حکم
کے مطابق وہ اسی راہ سے حضرت خضر علیہ السّلام تک پہنچ گیا۔"

اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے جو خالق و مالکِ حقیقی ہے جس کی توفیق سے یہ
سب کچھ ہے۔ اور صحیح معنوں میں وہی حاکمِ حقیقی ہے۔ باقی سب کچھ مجازی ہے
جس کا وہ اُس کا سب کچھ۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی اولیائے رحمٰن پر فضیلت کا بیان

جاننا چاہیئے کہ تمام حالات و واقعات میں تمام مشائخ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیائے رحمٰن انبیائے کرام علیہم السلام کے تابع اور اُن کی دعوت کے تصدیق کرنے والے ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام اولیائے رحمٰن سے افضل و اعلیٰ ہیں اس لیے کہ ولایت کی انتہا نبوّت کی ابتدا ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السّلام ولی ہوتے ہیں لیکن اولیائے رحمٰن میں سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ انبیائے کرام علیہم السلام صفاتِ بشریّت کی نفی میں ہمیشہ متمکن رہتے ہیں لیکن اولیائے کرام کو اس میں عمل دخل حاصل ہوتا ہے کہ اس گروہ پر نفی صفاتِ بشریّت کی حالت طاری ہوتی ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے گروہ کے لیے ایک خاص مقام ہے۔ اولیائے رحمٰن کا جو مقام اعلیٰ ہے وہ انبیائے کرام علیہم السّلام کا ایک مقامِ حجاب ہے۔ اس تفصیل سے تمام اہل تحقیقِ طریقت کا اتّفاق ہے۔ کسی نے اس کے خلاف نہیں کیا۔ بجز حشویہ گروہ کے جو گروہ خراسانی ہے ان کا کلام متکلّمین کے کلام سے متناقض ہے۔ اصولِ توحید میں اُنہوں نے اصلِ اصولِ توحید کو نہیں سمجھا اور وہ اپنے آپ کو ولی کہتے ہیں۔ اور یہ شک والی بات بھی نہیں کہ وہ ولی ہیں مگر وہ شیطان کے ولی ہیں یعنی اولیائے شیاطین ہیں۔ ان کا یہ قول ہے کہ معاذاللہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں۔ اور یہ دعویٰ اُن کے لیے خالص گمراہی ہے کہ وہ ایک جاہل کو حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذاتِ کریمہ سے افضل سمجھتے ہیں۔ دوسرا ایک گروہ مشتبہ سے ہے بھی اسی طرح راہِ گمراہی پر ہے جو اس طریقت کے ساتھ اپنی وابستگی کا دعویٰ دار ہے۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسری چیز میں حلول کرسکتے ہیں۔ اُوپر سے نیچے نازل ہوتے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا مختلف حصص میں

میں تقسیم ہو جانا بھی رَوا ہے۔ اور ان باتوں کی تفصیل اگر اللہ نے چاہا، میں ان دونوں مذاہب بد کے بیان میں پیش کروں گا۔ حاصل کلام یہ کہ یہ دونوں گروہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود انبیائے کرام علیہم السّلام کی فضیلت کی نفی میں برہمنوں کے ساتھ متفق ہیں۔ اور جو شخص انبیائے کرام علیہم السّلام تخصیص اور انبیائے کرام علیہم السّلام کی فضیلت کا منکر کا وہ صریحًا کافر ہے۔ پس انبیائے کرام علیہم السّلام داعی اور امام ہیں اور اولیائے کرام تمام نیک کام کرنے میں اُن کے فرمانبردار ہیں۔ مقتدی کا امام سے افضل ہونا محال ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جاننا چاہیئے کہ اگر تمام اولیائے رحمٰن کے تمام احوال اور تمام انفاس اور تمام مراتب کو ایک نبی صادق کے مقابلے میں بھی لایا جائے تو وہ تمام احوال و انفاس، ہیچ اور کمتر ہوں گے۔ کیونکہ اولیائے اللہ، اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کے طالب اور اُس کی رضا کے مراتب و مناصب کی طرف چلنے والے ہوتے ہیں لیکن انبیائے کرام علیہم السّلام اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچے ہوئے اور منزل مقصود کو حاصل کیے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے مخلوق خدا کی دعوت الی اللہ کا حکم لے کر آتے اور اس دعوت کے ذریعہ ایک قوم کو اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان مذکورہ بالا بے دین گروہوں میں سے کوئی شخص یہ اشکال کرے کہ عادت اور طریق کار تو اس طرح ہے کہ جب کسی شہنشاہ کی جانب سے کوئی پیغام رساں آتا ہے تو جس کی طرف اُسے بھیجا جا رہا ہے وہ اس پیغام رساں سے افضل ہے جیساکہ انبیائے کرام علیہم السلام حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے افضل ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو پیغام رساں بنا کر انبیائے کرام علیہم السّلام کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ لیکن ان کا یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کو پیامبر بنا کر بھیجے کسی کی جانب تو اس اصول کے تحت لازم ہوگا کہ مرسل الیہ اس قاصد سے افضل ہو جیسے کہ حضرت جبریل علیہ السّلام

کسی رسول کی طرف آئیں تو ہر رسول کا جبریل سے افضل ہونا لازمی ہے۔ لیکن جب خود رسول من جانب اللہ کسی قوم یا جماعت کی طرف مبعوث ہو تو لامحالہ اُس قوم سے وہ رسول افضل ترین ہو گا جس طرح کہ صاحب عظمت انبیائے کرام علیہم السلام اُمم سے افضل ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں کسی عقل مند کو بموجب صحیحہ کوئی اشکال واقع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بہ نفس نفیس انبیائے کرام علیہم السلام کا تمام جہاں سے افضل ہونا تسلیم شدہ ہے۔ پس انبیائے کرام علیہم السلام کا ایک شخص تمام اولیائے کرام سے افضل ہو گا۔ کیونکہ اولیائے رحمٰن جب عادت اور عرف کے مطابق انتہائی مقام تک پہنچ جاتے ہیں تو مشاہدات کی خبر دیتے ہیں اور حجاب بشریت سے نجات حاصل کر لیتے ہیں باوجودیکہ وہ عین بشر ہی ہوتے ہیں۔ لیکن رسول کا تو پہلا قدم ہی اللہ تعالی کے مشاہدات میں ہوتا ہے۔ جب رسول کی ابتدا ولی رحمٰن کی انتہا ہے تو ولی رحمٰن کو نبی پہ قیاس کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اولیائے کرام میں سے تمام طالبانِ حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام کثرتوں کا ایک وحدت میں گم ہو جانا ولایت کا کمال ہے۔ اس کی صورت اس طرح ہے کہ جب بندہ کسی ایک درجہ کو پہنچتا ہے تو غلبہ دوستی کی وجہ سے اس کی عقل نظر کرنے سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور شوق فاعلِ حقیقی سے حیرت میں آ کر کہہ دیتا ہے کہ تمام عالم وہی ہے اور وہ اپنی نظرِ باطن سے دیکھنا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ ابو علی رودباری علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

لَوْ زَالَتْ عَنَّا رُؤْيَتُهٗ مَا عَبَدْنَا — اگر ہم سے اس کا دیدار زائل اور اسمِ عبودیت مجھ سے ساقط ہو جائے اور شرف عبادت دیدار کے بغیر حاصل نہیں۔ لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے یہ صورت ابتدائی حالات میں موجود ہوتی ہے کیونکہ اُن کے معاملہ میں تفرقہ کوئی صورت اختیار نہیں کر سکتا کہ وہ نفی اثبات سلوک عدم سلوک، توجہ اور اعراض۔ اور ابتدا و انتہا ہر معاملے میں عین جمع

میں ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا رَبِّيْ — یہ میرا رب ہے۔

اور چاند ستاروں کو دیکھا تو فرمایا:

هٰذَا رَبِّيْ — یہ میرا رب ہے

اس کی وجہ صرف غلبہ تھا جو ان کے دل پر اور ان کی اجماع کے اندر عین صحیح تھا اور وہ اپنی نظر میں کسی کو غیر نہیں دیکھتے تھے۔ اور اگر دیکھا تو اسی مقامِ جمع کی آنکھ سے دیکھا اور عین دیدار میں اپنے دیدار سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ — تو میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

گویا آپ کے حال کی ابتداء بھی جمع اور انتہاء بھی جمع۔ کیونکہ ولایت کی ایک ابتداء ہوتی ہے اور ایک انتہاء ہوتی ہے لیکن نبوت کی نہ ابتداء ہوتی ہے اور نہ ہی کی انتہا ہوتی ہے کہ جب سے نبی ہوتا ہے نبی ہی ہوتا ہے۔ اور جب تک نبی رہتا ہے نبی ہی رہتا ہے۔ اور دنیا میں موجود ہونے سے پہلے بھی وہ علم و ارادۂ الٰہی میں نبی ہوتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات کے بارے میں کیا خبر رکھتے ہیں تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"انبیائے کرام علیہم السلام کے معاملات میں ہمارے علم کو کوئی دخل نہیں کہ ہم اُن کے متعلق جس قدر بھی تصور کرتے ہیں وہ بالآخر ہماری طرف سے ہی ہوگا لیکن اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو نفی اثبات کے منصب میں رکھا ہے کہ مخلوق کی نگاہ کو وہاں تک رسائی حاصل نہیں۔"

پس جس طرح اولیائے رحمٰن کا منصب اور مرتبہ و مقام مخلوق کی عقل و فکر سے بالاتر ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السّلام کا منصب اور مرتبہ و مقام اولیائے کرام کے عقل و فکر سے بالاتر ہے۔

حضرت بایزید بسطامی جو اپنے عہد کی مکمل دلیل ہیں ان کا فرمان عالی شان ہے:

اَوَّلُ مَا سِرْتُ اِلَی الْوَحْدَانِیَّةِ فَصِرْتُ طَیْرًا جِسْمُهٗ مِنَ الْاَحَدِیَّةِ وَجَنَاحَهٗ مِنَ الدَّیْمُوْمِیَّةِ فَلَمْ اَزَلْ اَطِیْرُ فِیْ هَوَاءِ التَّنْزِیْهِ ثُمَّ اَشْرَفْتُ عَلٰی مَیْدَانِ الْاَزَلِیَّةِ وَرَاَیْتُ شَجَرَةَ الْاَحَدِیَّةِ فَنَظَرْتُ فَعَلِمْتُ اَنَّ هٰذَا كُلَّهٗ لَیْسَ غَیْرِیْ۔

سب سے پہلے جب میں نے وحدانیت کی طرف سیر کی تو میں نے دیکھا کہ میرے باطن کو آسمان پہ لے گئے اور اُس نے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی۔ اُسے جنّت اور دوزخ دکھائی لیکن اُس نے اُس کی طرف التفات نہ کیا اور مجھے کائنات اور حجابات کے اُوپر لے گئے تو پھر میں ایک پرندہ بن گیا جس کا جسم احدیّت سے اور بال و پر دوام سے بنے ہوئے تھے۔ پس وہ لگاتار پرواز کرتا ہوا تنزیہہ کی ہوا کے دوش پر میدانِ ازلیّت پر مشرف ہو گیا۔ وہاں میں نے درختِ احدیّت دیکھا۔ تو جب میں نے اُس پر نظر کی تو سب کچھ میں ہی نظر آیا۔

میں نے کہا اے اللہ العالمین مجھے اپنی خودی سے نجات حاصل نہیں ہوئی اور اپنی خودی کی موجودگی میں مجھے تجھ تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے تو حکم ہُوا کہ اے بایزید! تیرا اپنی خود سے نجات حاصل کرنا میرے حبیب لبیب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اطاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اپنی آنکھوں کو آپ کے پاؤں مبارک کی خاک کے سرمہ سے روشن کر اور آپ کی پیروی پہ مداومت کر تو تُو اپنی خود سے نجات حاصل کر لے گا۔

یہ حکایت بہت لمبی ہے۔ اسے اہلِ طریقت معراجِ بایزید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور معراج سے قربِ خاص مراد لیتے ہیں۔ پس انبیائے کرام علیہم السّلام کی معراج تو جسم اور بدن کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اولیائے رحمٰن کی معراج ارادے اور باطن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السّلام کا جسم پاکیزگی، صفائی اور قرب کے اعتبار سے اولیائے رحمٰن کے دل اور باطن کی طرح ہوتا ہے۔ اور یہ فضیلت بہت روشن ہے۔ اور یہ اس طرح ہے کہ ولی کو اپنے حال میں مغلوب کرتے ہیں تاکہ وہ مست ہوجائے۔ پھر اس کے باطن کو اس سے غائب کر دیتے ہیں اور اُس کو اللہ سبحانہ، تبارک وتعالیٰ کے قرب کے لیے سجادیتے ہیں۔ اور جب وہ صحو میں ہوں تو وہ تمام براہین ان کے دل پر صورت بن کر سامنے ہوں اور وہ علم انھیں حاصل ہو۔ تو ثابت ہُوا کہ ان کے مابین بہت فرق ہے کہ نبی کے تو جسم کو قربِ خداوندی میں لے جایا جاتا ہے لیکن ولی کے صرف فکر کو وہاں تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا اور بہتر اجر عطا کرنے والا ہے۔ اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے اور جس کا وہ ہے اُس کا سب کچھ ہے۔

انبیا و اولیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا: جاننا چاہیے اہلِ سنّت وجماعت اور جمہور مشائخ طریقت کا اس بات پر اتّفاق ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السّلام اور وہ اولیائے رحمٰن جو معصیّت سے محفوظ ہیں، ملائکہ سے افضل و برتر ہیں۔ بخلاف معتزلہ کے کہ وہ ملائکہ کو انبیا علیہم السّلام سے افضل گردانتے ہیں اور اُن کا قول ہے کہ ملائکہ مراتب کے لحاظ سے بلند تر، ولادت کے لحاظ سے نہایت لطیف اور اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر فرمانبردار ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حقیقتاً تمھارا یہ دعویٰ حقیقت کے خلاف ہے اس لیے کہ فرمانبردار جسم، بلند منصب، اور خلعتِ لطیف

افضلیت کی علت نہیں ہو سکتے کہ صاحبِ فضیلت وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہو۔ کیونکہ وہ اُمور جو معتزلہ بیان کرتے ہیں وہ شیطان کو بھی حاصل تھے لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ شیطان لعنتی اور ذلیل ہو گیا۔ پس صاحبِ فضیلت وہ ہے جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ فضل فرمائیں اور دوسری مخلوق پر اُس کو شرف عطا فرمائیں۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کے شرف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے وہ منصب ومراتب میں سجدہ کرنے والے کے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اعتراض کریں کہ بیت اللہ شریف پتھر کا بنا ہوا ہے اور مومن اس سے افضل و بہتر ہے تو پھر بھی بیت اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ تو اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہوتے بھی آپ کو سجدہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی یہ نہیں کہے گا کہ میں خانہ کعبہ کو یا محراب یا دیوار کو سجدہ کرتا ہوں مگر یہ سب ضرور کہیں گے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ تو اسی طرح سب یہی کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جو آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا وہ یہ امتثال اَمرِ خداوندی کیا۔ جب حکم الٰہی ہوا:۔

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ — ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو

مگر ذکرِ مومنین کیا تو فرمایا:۔

اُسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ۔ — اپنے پروردگار کو سجدہ کرو۔ اُسی کی عبادت کرو اور صالح اَمر بجا لاؤ۔

اس لیے بیت اللہ شریف حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثل نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ کوئی مسافر اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے عبادتِ الٰہی کرنا چاہے

تو اگرچہ اس کا رُخ بیت اللہ شریف کی جانب نہ ہو وہ عبادت کر سکتا ہے۔ اور اسیطرح
جس شخص پر بیت اللہ شریف کی سمت گم ہو جائے کہ بیابان کے اندر اُس پر قبلہ کے
دلائل و براہان روشن نہ ہو سکیں تو وہ جس سمت بھی منہ کر کے نماز پڑھ لے صحیح ہو گا۔
اور وہ حکم خداوندی کو بجالانے والا ہو گا۔ لیکن حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو
سجدہ کرنے میں ملائکہ کے لیے کوئی عذر نہ تھا۔ وہ ایک جس نے خود عذر پیدا کیا وہ لعین و
ذلیل ہو گیا۔ آنکھ والوں کے لیے یہ روشن دلائل ہیں۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ فرشتے
اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی پہچان میں مساوی ہو جائیں پھر بھی وہ مقام و مراتب و مناصب
میں حضرات انبیائے کرام علیہم السّلام کے مساوی کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کیونکہ ان
کی تخلیق و ولادت میں شہوت نہیں۔ اسی طرح نہ ہی اُن کے دل میں لالچ اور فساد
ہے اور نہ ہی اُن کی طبع میں حیلہ بہانہ ہے۔ اُن کی غذا اطاعتِ خداوندی ہے۔ اور
اُن کا شیوہ یہ ہے کہ فرمانِ خداوندی پر قائم رہنا چاہیئے۔ لیکن انسان کی سرشت میں
شہوت کا دخل ہے۔ اور اُس کے وجود میں ارتکاب گناہ کا احتمال موجود ہے، اُس
کے دل میں دنیا کی زینت کا اثر انداز ہے۔ اُس کی طبع میں حرص و ہوا اور حیلہ
سازی منتشر ہے۔ اور پھر یہ کہ ابلیس اُس کے بدن میں اس قدر غلبہ حاصل کر چکا ہے کہ
وہ اُس کی رگ رگ میں خون کی مثل گردش کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام گناہوں کو
دعوت دینے والا نفس اُس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ غور کیجئے کہ جس کے وجود میں یہ
صفات موجود ہیں۔ اور وہ باوجود احکام غلبۂ شہوت ہر فسق و فجور سے پرہیز کرے
اور حرص و ہوا کے باوجود دنیا سے انحراف کرے اور اس کے باوجود دل میں شیطانی
وساوس ہر آن پیدا ہوں معصیت سے اجتناب کرے اور نفسانی آفات سے اعراض
کرے اور عبادت پر قائم رہے اور اطاعت پر دائم رہ کر نفس کا مجاہدہ کرے اور شیطان
سے مجادلہ میں مشغول ہو۔ وہ ہر حال میں افضل ہو گا۔ جس کی صفت میں شہوت کی

معرکہ آرائی نہ ہو اور جس کی طبع میں غذا اور لذتوں کا ارادہ نہ ہو۔ نہ ہی اُسے بیوی بچوں کا غم ہو اور نہ ہی خویش و اقارب کا فکر، نہ ہی اُسے اسباب و آلات کی حاجت ہو۔ اور نہ وہ اُمیدوں اور تمناؤں میں مستغرق ہو۔ مجھے اپنی جان کی قسم کہ میں اُن پر حیران ہوں جو فضیلتِ افعال میں دیکھتا ہے یا جمال و مال میں عزت و بزرگی جانتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ مالک اعیان کے فضل و افضال کو دیکھے۔ پھر اُسے ظاہر و باہر ہو جائے اور وہ جان لے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا میں آبرو ہے اور معرفت و ایمان میں بزرگی ہے۔ پھر اس پر یہ نعمتِ خداوندی ہمیشہ رہے گی اور دونوں جہان میں اس کا دل خوش رہے گا اور سمجھ لے گا کہ وہ جبرائیل علیہ السّلام جو کئی ہزار سال سے انتظارِ خلعت میں عبادت کر رہا تھا وہ صرف برادری حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام چاہتا تھا تاکہ معراج کی رات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے براق کی لگام تھامے۔ وہ کیسے افضل ہو سکتا ہے اس سے جو دنیا میں نفس کو ریاضت سے مغلوب کر چکا ہو۔ رات دن مجاہدہ کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اللہ کے دیدار سے شرفیاب ہوا ہو اور تمام خطرات سے محفوظ رہا ہو۔ فرشتوں نے جب اپنی ذات میں نورِ صفاء کا مشاہدہ کیا تو اُنھوں نے اپنی فضیلت کی حجّت پیش کی اور مخلوق انسان پر زبانِ ملامت کی تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا حال ظاہر فرمانے کو انھیں حکم دیا کہ تم میں تین ملائکہ جسے تم اپنی نگاہ میں بزرگ گردانتے ہو پیش کیجئے تاکہ زمین پر جا کر منصبِ خلافت سنبھالیں اور ہماری مخلوق کی اصلاح کریں اور ان میں منصفانہ مزاج قائم کریں تین فرشتوں کو منتخب کیا گیا۔ ایک فرشتہ تو زمین پر اُترنے سے پہلے ہی نفس کے فساد کا شکار ہو گیا۔ وہ پھر واپس کر دیا گیا۔ باقی دو فرشتوں کو زمین پر بھیج دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کی فرشتوں جیسی خلقت کو تبدیل کر کے انسانی جبلّت عطا کی جس سے وہ کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ رگ شہوانی سے ان دو فرشتوں کو بھی خراب کر دیا۔ اور

فرشتوں نے اپنے اُوپر انسانوں کی فضیلت کو اظہر من الشمس گردانا۔

حاصل کلام یہ کہ اہلِ ایمان میں سے خاص الخاص ملائکہ کے خاص الخاص میں سے زیادہ صاحبِ فضیلت ہیں۔ اور عام اہلِ ایمان کو عام ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے۔ پس اہلِ ایمان میں سے جو افراد معصوم و محفوظ ہیں وہ جبرائیل اور میکائیل جیسے خاص ملائکہ سے بھی افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور جو اہلِ ایمان معصوم و محفوظ نہیں وہ محافظ اور کراماً کاتبین جیسے ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے جو بہتر اَجر دینے والا ہے۔

اس موضوع پر کلام کثیر ہے اور مشائخ کرام میں سے ہر ایک نے اس پر کچھ نہ کچھ کہا ہے اور اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ جسے چاہے فضیلت سے نواز دے۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے جسے وہ توفیق عطا فرماتا ہے اُسے ہر طرح کی نعمت سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ جس کا اللہ اُس کا سب کچھ۔

یہ مذہب صالحہ اور حکماء نے تصوّف کے بارے میں جو کہا ہے

ولایت کیا ہے؟ اور صوفیائے کرام نے جو اس سے اختلاف کیا ہے وہ اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا اور درحقیقت ولایت اللہ سُبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے تب پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ ولی، ولی کو پہچانتا ہے اور چور، چور کو پہچانتا ہے۔ اس لیے کہ اولیائے کرام کے رازوں کا اظہار اگر عقلِ انسانی پر جائز ہوتا تو دوست اور دشمن واصل و غافل میں تمیز کرنا محال ہو جاتی۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے یونہی چاہا کہ دوستی کے موتی کو مخلوق کی رسوائی کے صدف میں رکھ کر ابتلاء کے دریا میں ڈال دے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا طالب محبتِ الٰہی میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس مہلک دریا کو عبور کرے اور دریا کی گہرائی میں غوطہ لگا کر یا تو گوہر مراد حاصل کرے یا اسی حالت میں دنیا سے کوچ کر جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بحث کو طویل نہ کروں۔ اس لیے کہ مجھے کتاب ہذا

کے پڑھنے والے کی علالتِ طبع اور سیری کے بعد عدم توجہی کا خطرہ ہے۔ یوں میرا قلم رُک گیا ہے۔ تاہم مرید حق کے لیے اسی طریقت میں اتنا ہی کافی بیان ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور وہی بہتر اجر دینے والا ہے۔

فرقہ خزاریہ کی حقیقت کا انکشاف:۔ فرقۂ خزاریہ کے لوگ حضرت ابو سعید خزار علیہ الرحمۃ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں جن کی تصانیف طریقت کے بیان میں نہایت روشن ہیں۔ تجرید و انقطاع کے اندر آپ ارفع و اعلیٰ شان کے مالک تھے۔ آپ نے فنا و بقا کی اصطلاحات جاری کی ہیں۔ لہٰذا اب ہم ان اصطلاحات کے صحیح معانی اور اس گروہ کی غلطیاں اب اس باب میں لاتے ہیں تاکہ سائل جان لے کہ ان کا مذہب کیا ہے۔ اور ان اصطلاحاتِ متداولہ سے اس گروہ کا کیا مقصد ہے۔

فنا و بقا کی حقیقت کا راز:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ جو کچھ زمین میں ہے فنا ہونے والا ہے اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ جلال و کرام ہے۔

جاننا چاہیئے کہ علمِ لغت کی رُو سے فنا و بقا کا مفہوم اور ہے اور اہل طریقت کے بیان میں ان کا مفہوم اور ہے۔ اہلِ ظواہر فرقہ خزاریہ کی کسی عبارت میں

اس قدر حیران نہیں جس قدر کہ اس عبارت میں حیران ہیں۔ پس علمی زبان اور لغت کی رُو سے بقا تین اقسام میں منقسم ہے:

بقا کی پہلی قسم: بقا کی پہلی قسم یہ کہ ایک طرف بقا ہو تو اس کی دوسری طرف فنا ہو اور اس کی پہلی طرف بھی حقیقت میں فنا ہو۔ جیسے کہ یہ جہان کہ اس کی ابتداء کتم عدم میں تھی اور انتہا بھی منصۂ شہود پر آنے کے بعد عدم ہی ہے اس کے درمیان اس وقت باقی ہے۔

بقا کی دوسری قسم: بقا کی دوسری قسم یہ کہ بقا حقیقت میں اوّل نہ ہو اور جو ہو وہ فنا نہ ہو جیسے بہشت، جہنم اور جہانِ عقبیٰ اور یہ جہان۔

بقا کی تیسری قسم: بقا کی تیسری قسم یہ کہ وہ بقا ہے جیسے بقائے حق تبارک و تعالیٰ۔ اور اس کی صفات لم یزل و لایزال کہ وہ بھی اس کی ذات کے ساتھ قدیم ہیں۔ اور اس بقا سے مراد دوام اور ابدیت وجود ہے اور اس میں کسی کو اس کے ساتھ مشارکت نہیں تو وہ علم فنا ہے جیسے تو دنیا میں دیکھ رہا ہے کہ وہ فانی ہے اور علمِ بقا وہ ہے جو آخرت میں ہے کہ وہ باقی ہے جیسے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی ذات بابرکات۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:

وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى — آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

یہاں اَبقیٰ مبالغے کے طور پر کہا گیا ہے اس لیے کہ آخرت کی عمر کے بقا کے لیے کوئی فنا نہیں۔

یاد رہے کہ اربابِ طریقت کے ہاں بقائے حال اور فنائے حال کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب جہالت فنا ہو جائے تو لامحالہ علم باقی ہو گا۔ اور جب گناہ فانی ہو جائے تو اطاعت کو بقا مل جائے گی کہ جب بندہ اپنی ..گی کا علم حاصل کر لیتا ہے

تو غفلت فانی ہو جاتی ہے اور وہ خود ذکرِ الٰہی سے باقی ہو جاتا ہے۔ یعنی جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت کا علم حاصل کر لیتا ہے اور اُس کے علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے تو اُس سے جہالت فانی ہو جاتی ہے۔ اور جب غفلت سے فانی ہو جاتا ہے تو اس کو یاد رکھنے سے باقی ہو جاتا ہے۔ گویا اہل طریقت کے ہاں بُرے خصائل کے زائل ہونے اور اچھے اوصاف کے پیدا ہو جانے کو فنا و بقا سے تعبیر کرتے ہیں۔
لیکن اہلِ طریقت کے خاص حضرات فنا و بقا سے وہ مراد نہیں لیتے جو ابھی ہم نے بیان کیا ہے بلکہ وہ ولایت کے درجۂ کمال کے علاوہ کسی جگہ بھی فنا اور بقا کی اصطلاحات کا استعمال نہیں کرتے۔ اور جو لوگ مشقت اور مجاہدہ سے نکل چکے ہیں اور مقامات کے تغیرِ حال کی قید سے رہائی حاصل کر چکے ہیں اور طلب کے بعد فنا تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ اور ہر وہ دیکھنے کی چیز کو اور کانوں سے سننے والی آواز کو بھی دل سے سماعت کرنے کے بعد سب سے منہ موڑ کر مراد کی سوچ میں فنا ہو کر انجام و دعویٰ سے بیزار اور معنیٰ سے جُدا ہو کر کرامات کو بھی حجاب گردانتے ہیں اور دیکھے ہوئے تمام مقامات کو آفت کے لباس میں ملبوس پا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور عین مراد تک رسائی حاصل کر کے مراد سے بھی بے مراد ہو کر تمام مشرب ساقط کر کے الفت و انس سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔

تاکہ ہلاک ہو جو دلیل سے ہلاک ہو اور زندہ رہے جو دلیل سے زندہ رہا۔

اور اسی معنیٰ میں میں کہتا ہوں کہ ؎

فَنِيتُ فَنَاءً يَفْقِدُ هَوَائِي
فَصَارَ هَوَائِيْ فِي الْأُمُوْرِ هَوَاكَ

میری آرزو کے کم ہونے کے سبب میری فنا فانی ہو گئی۔ پس تمام معاملات میں میری خواہش بس تیری محبّت ہو گئی۔

فاذا فنی العبد عن اوصافه

ادرك البقاء بتمامه

پس جب انسان اپنے اوصاف سے فانی ہو جاتا ہے تو پوری کی پوری بقا حاصل کر لیتا ہے۔

جب انسان اوصاف کی موجودگی میں ہی اوصاف کے مصائب سے فانی ہو چکا ہو تو وہ اپنی مراد کی بقا کی وجہ سے اپنی مراد کے فنا میں باقی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نہ اُسے قرب اور بعد رہتا ہے نہ ہی وحشت و اُنس رہتا ہے۔ اور نہ ہی صحو و سکر رہتی ہے نہ ہی فراق و وصال کا خوف، نہ ہی نا اُمیدی ہوتی ہے نہ ہی زمین سے اکھاڑ دینے کا جذبہ اور نہ تو نام اور مراتب و مناصب کی طلب رہتی ہے اور نہ ہی نقش و نشان کی تمنا رہتی ہے۔

اس حقیقت کے اظہار کے لیے مشائخ کرام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

وَطَاحَ مَقَامِیْ وَالرَّسُوْمُ کِلَاهُمَا

فَلَسْتُ اَرٰی فِی الْوَقْتِ قُرْبًا وَّلَا بُعْدًا

میرا مقام اور رسوم دونوں فانی ہو گئے۔ پس میں اب نہ قرب کو دیکھتا ہوں اور نہ بعد کو دیکھتا ہوں۔

اَفْنَیْتُ بِرٌ عَنِّیْ فَبَانَ لِیَ الْهُدٰی

فَهٰذَا ظُهُوْرُ الْحَقِّ عِنْدَ الْفَنَاءِ قَصْدًا

میں نے اُسے خود سے فنا کر دیا۔ پس میرے لیے ہدایت روشن ہو گئی۔ پس یہ حق کا ظہور ارادۃً فانی ہونے کے وقت ہی ہوا ہے۔

پس جب فنا کا ارادہ کر لیا اور تمام فانی اشیاء سے رویت کی آفت اور اس کی

نفی ارادت ہو صحیح نہیں ہوتی۔ جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ کسی چیز سے فنا اُس چیز سے بلا حجاب درست ہو جاتا ہے وہ خطا پر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب آدمی کسی شے کو پسند کرتا ہو تو کہہ دے کہ میں اُس کے ساتھ باقی ہوں یا کسی شے کے ساتھ بغض رکھتا ہو تو کہہ دے کہ میں اُس سے فانی ہوں کیونکہ یہ دونوں صفات طالب کی ہیں اور فنا میں تو اُنس و دشمنی نہیں ہوتی اور نہ ہی بقا میں جمع و تفریق ہوتی ہے۔ ایک گروہ ان معنی میں خطا پر ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ فنا ذات کا گم ہونا اور شخصیت کا نیست و نابود ہونا ہے۔ اور بقا وہ ہے کہ بقاءِ حق سے بندہ کو ملے کیونکہ یہ دونوں اَمر محال ہیں۔ میں نے ہندوستان میں ایک آدمی کو دیکھا جو تفسیر، تذکیر اور علم کا مدعی تھا۔ اُس نے مجھ سے اس معاملے میں مناظرہ کیا۔ جب میں نے دیکھا اور اُس پر نگاہ کی تو وہ فنا و بقا سے بالکل بے خبر تھا ایسے بکثرت جاہل ہیں جو فنا و کلی کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ خالص مکابرہ ظاہرہ ہے۔ کیونکہ فنا کے لیے اجزائے طینت اور ان کا علیحدہ ہونا کبھی درست نہیں ہوتا۔ میں ان غلط کار جہلا کو کہتا ہوں اس فنا سے تمھاری کیا غرض ہے۔ اگر وہ کہیں کہ فنا رعین مراد ہے تو یہ محال ہے اور اگر کہیں کہ فنا میں وصفِ تو ہم ہم جائز رکھتے ہیں اس لیے کہ فنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دوسری صفت بقا پائے اور یہ دونوں صفات بندہ کے سپرد ہوتی ہیں۔ روم کے نسطوریوں کا یہ مذہب ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا مجاہدہ کی زیادتی کی بناء پر تمام جسمانی اوصاف سے فانی ہو گئی ہیں اور ابدی بقا اُن کے ساتھ مل گئی ہیں۔ اور انھیں یہاں تک بقا حاصل ہو گئی ہے کہ وہ بقائے الٰہی کے ساتھ باقی ہو گئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی بقاء کا نتیجہ ہیں جو مایۂ انسانی نہیں بلکہ ان کی بقا بقائے الٰہی ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اور اللہ تبارک و تعالیٰ یہ تینوں ایک ہی بقاء کے ساتھ باقی ہیں جو قدیم اور صفتِ خداوندی ہے۔ اور یہی عقیدہ جماعتِ حشویہ کا ہے۔ بلکہ وہ مجسمہ و مشبہ بھی ذات باری تعالیٰ حوادث کا محل

قرار دیتے ہیں۔ اور قدیم ذات کے لیے حادث کی صفت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ میں ان سب سے کہتا ہوں کہ کوئی حادث قدیم کا اور کوئی قدیم کسی حادث کا محل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور کسی قدیم کے لیے کوئی حادث اور کسی حادث کے لیے کوئی قدیم کس طرح صفت بن سکتا ہے۔ اس مذہب دہریہ کا جواز دلیل حدوث عالم کو باطل کرتا ہے اور اس سے صفتِ مصنوع صانع کو لازم آتا ہے کہ قدیم کہا جائے اور مخلوق کو غیر مخلوق سے ملانا اور غیر مخلوق کا مخلوق میں حلول ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کا محل عین وہی چیز ہو تو جب محل حادث ہو گا تو ضروری ہے کہ حال بھی حادث ہو۔ اس لیے کہ جب قدیم کو حادث کہیں یا حادث کو قدیم تو صنعت اور صانع کو قدیم کہنا چاہیئے۔ پھر اس اصول کے مطابق صنع محدث ہو گی اور جب صنع محدث ہو تو ضروری ہے کہ حال بھی محدث ہو۔ تو یہ دونوں صورتیں گمراہی کی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو ان دونوں کا حکم ایک ہی طرح کا ہو گا۔ اس لیے ہماری بقا ہماری صفت ہے تو فنا بھی ہماری صفت ہے اور ہمارے اوصاف کی تخصیص میں ہماری فنا ہماری بقا کی طرح ہے، اور ہماری بقا ہماری فنا کی طرح ہے۔ تو فنا ایک صفت ہے اور دوسری صفت کی بقا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص فناء کی تعبیر اس طرح کرے کہ اس کے ساتھ بقا کا تعلق نہ ہو تو یہ صحیح ہے۔ اسی طرح اگر بقا کی تعبیر اس طرح کرے کہ فنا کا اُس کے ساتھ تعلق نہ ہو تو یہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ اس فنا سے مراد غیر اللہ کے ذکر کا فنا ہو گا اور بقاء سے ذکرِ الٰہی کی بقاء مراد ہو گا کہ جو کوئی اپنی مراد سے فنا ہو جاتا ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مراد سے باقی ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تمھاری مراد فانی ہے اور اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی مراد باقی ہے۔ جو اپنی مراد پر قائم ہو جائے تو اُس کی مراد فانی ہو جاتی ہے اور اس فنا کے ساتھ وہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہو سکتی ہے کہ جو چیز بھی آگ کی حدود میں گرتی ہے آگ کے غلبہ کی وجہ سے

وہ بھی آگ ہی بن جاتی ہے۔ پس جس طرح آگ کا غلبہ کسی چیز کے وصف کو دوسری چیز میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی محبت کا غلبہ تو آگ کے غلبہ سے بھی اولیٰ تر ہے۔ البتہ آگ کا تصرف تو لوہے کے وصف میں واقع ہوتا ہے لیکن لوہے کی ذات تو وہی رہتی ہے کیونکہ کسی صورت میں بھی آگ نہیں بن سکتا۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ جس کا اللہ ہے اُسی کا سب کچھ ہے۔

فصل:۔ فنا و بقا میں مشائخ کے رموز کا انکشاف:۔ حضرت ابو سعید خزار علیہ الرحمۃ

جو اپنے مذہب میں فرد الفرید ہیں۔ اُن کا فرمان عالی شان ہے:۔

اَلْفَنَاءُ فَنَاءُ الْعَبْدِ عَنْ رُؤْيَةِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَالْبَقَاءُ الْعَبْدُ بِمُشَاهِدِ الْاِلٰهِيَّةِ۔

بندہ کا اپنی عبودیت کے دیکھنے سے فنا ہو جانے کا نام فانی ہونا ہے اور بندے کا مشاہدۂ خداوندی میں باقی ہو جانے کا نام بقا ہے۔

یعنی اپنے کام میں بندگی کا دیکھنا ہے۔ انسان کے لیے مصیبت ہے۔ اور بندگی کی حقیقت تک جب رسائی حاصل کرتا ہے تب اپنے فعل کی جانب نظر نہ کرے۔ اور اپنے عمل و عبادت کے دیکھنے سے فانی ہو جائے۔ اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے فضل کو دیکھنے سے باقی ہو جائے۔ حتٰی کہ اُس کے تمام اعمال کی نسبت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے نہ کہ اپنی طرف۔ کیونکہ افعال میں سے جو کچھ بندہ کے ساتھ متصل ہوگا۔ وہ سب ناقص ہوگا اور جو کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ موصول ہوگا وہ سب کامل ہوگا۔ چنانچہ جب بندہ تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوایوب نہر جوری علیہ الرحمۃ کا کلام عالی شان ہے:۔

صِحَّةُ الْعُبُوْدِيَّةِ فِي الْفَنَآءِ وَالْبَقَآءِ۔ بندگی کرنے کی صحت فنا اور بقا میں ہے۔

اس لیے کہ بندہ جب تک ہر چیز سے نجات کا اظہار نہ کرے تو اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کی حقیقی خدمت کے قابل نہیں ہوتا۔ پس آدمی ہونے کے اوصاف سے تبری فنا ہے اور عبودیت میں اخلاص بقا ہے۔

حضرت ابراہیم شیبانی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

عِلْمُ الْفَنَآءِ وَالْبَقَآءِ يَدُوْرُ عَلَى الْاِخْلَاصِ وَالْوَحْدَانِيَّةِ وَصِحَّةِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَمَا كَانَ غَيْرُهٗ هٰذَا فَهُوَ الْمَغَالِيطُ وَالزَّنْدَقَةُ۔ فنا اور بقا کا علم اخلاص، وحدانیت اور صحتِ عبودیت پر منحصر ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ غلوط اور زندقہ ہے۔

یعنی جب بندہ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کے واحد ہونے کا اقرار کر لیتا ہے تو خود اور کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور و مغلوب تصوّر کرتا ہے۔ اور مغلوب غالب کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے۔ اور جب اس کا فنا ہونا اس پر صادق آجاتا ہے تو اس کا اقرار عجز و انکسار کے بجز چارہ ہی نہیں ہوتا۔ تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے حلقۂ درگاہ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ اور جو کوئی اس کے سوا فنا و بقا کی تعریف کرتا ہے یعنی وہ فناء کو ذات کا۔ فناء اور بقاء کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ بقاء جانتا ہے تو یہ بے دینی اور نصاریٰ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب اقوال معانی کی رُو سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اگرچہ عبارت کی رُو سے اس میں اختلاف ہے۔ اور ان تمام

کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ کو فنا اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلال کو دیکھنے اور اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کے اس کے دل پر ظاہر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے غلبۂ جلال میں دنیا و آخرت اس کے دل سے نکل جائے اور حالات و مقام اس کے ارادے کی نگاہ میں حقیر نظر آئیں۔ اور اُس کے حالات میں کرامات کا ظہور پراگندہ ہو جاتا ہے۔ تو عقل و نفس سے فراغت حاصل کر کے فنا سے بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور عین اس فنا میں اُس کی زبان کا فنا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ناطق ہو جائے۔ اور اُس کا دل اور اُس کا جسم خضوع و خشوع کرنے والا ہو جائے جیسا کہ آغاز میں ذریت آدم پشتِ آدم سے خروج کے وقت عہدِ عبودیت کی آفات سے مرکب نہیں تھی۔

کسی شیخ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تَمَنَّيْتُ إِذَا كُنْتُ أَدْرِي
كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَيْكَ
أَفْنَيْتَنِي عَنْ جَمْعِي
فَصِرْتُ أَبْكَا عَلَيْكَ

اگر مجھے علم ہوتا کہ تجھ تک پہنچنے کی راہ کون سی ہے۔ تو میں خود سے فنا ہو کر تیری یاد میں روتا رہتا ہوں۔

ایک اور بزرگ کا فرمان عالی شان ہے:

فَفِي فَنَائِي فَنَاءُ فَنَائِي وَفِي فَنَائِي وَجَدْتُكَ إِنَّنَا
مَحُوتُ اِسْمِي وَاِسْمُ جِسْمِي سَأَلْتَ عَنِّي فَقُلْتُ اِنْنَا

میرے فنا میں میرے فنا کا فنا ہے۔ اور میں نے تجھے اپنے فنا میں پایا۔ میں نے اپنے نام کو اور جسم کو مٹا دیا تو تو نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا میں ہی ہوں۔

فقر اور تصوّف کے بارے میں فنا و بقا کے یہی احکام ہیں جنہیں میں نے اختصار کے طور پر بیان کر دیا ہے۔ اب کتاب ہٰذا میں جہاں کہیں میں فنا اور بقا کا ذکر کروں گا اس سے میری یہی مراد ہوگی۔ یہ خزاریوں کا حقیقی مذہب ہے اور سب لوگ اس نیک بنیاد کی پیروی کرتے ہیں۔ جو تفریق وصل کی اصل ہو وہ بے اصل نہیں۔ اور اس فرقہ کے کلام میں یہ جملہ معروف ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اللہ ہی بہتر اجر دینے والا ہے۔

فرقہ خفیفہ کی حقیقت کا انکشاف:- فرقہ حفیفہ کا تعلق حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف علیہ الرحمۃ کے ساتھ

روحانی طور پر ہے۔ جو صوفیائے کرام میں فرد الفرید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور مشائخ سادات میں سے ہیں۔ اور اس طبقہ کے عزیز تھے۔ آپ علوم ظاہریہ اور علوم باطنیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی علوم طریقت میں بکثرت اور معروف کتب ہیں۔ آپ کے مناقب بکثرت ہیں جو معروف زمانہ ہیں۔ آپ کے مناقب شمار سے باہر ہیں۔ آپ اپنے عہد کے فرد الفرید تھے۔ آپ نہایت پاکیزہ اور خوب سیرت تھے۔ آپ اس قدر پاکیزہ نفس تھے کہ شہواتِ نفسانی سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ سننے میں آیا ہے کہ آپ نے چار صد شادیاں کی تھیں۔ اور یہ اس لیے کہ آپ شہنشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ آپ جب تائب ہوئے تو شیراز کے مکینوں نے آپ کے سامنے تقرب حاصل کیا تھا۔ شیرازی شہزادیاں اور اُمراء کی بیٹیاں یہ آرزو کرنے لگیں کہ ابو عبداللہ ہمیں اپنے نکاح میں لے لیں تاکہ ہم مشرف بانتساب زوجیت ہو جائیں۔ اور آپ ایسا کیا کرتے تھے لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے کر فارغ کر دیا کرتے تھے۔ تاہم آپ کی زندگی میں عورتیں دو دو اور تین تین کر کے باقاعدہ آپ کے بستر کی خادم رہیں۔ چہ پراگندہ حال تھیں۔ اور ان میں سے

ایک کو تو چالیس برس تک آپ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا جو ایک شہنشاہ کے وزیر کی لڑکی تھی۔

شیخ ابوالحسن علی بن بکران شیرازی علیہ الرحمۃ نے اپنے عہد حکومت کا حال بیان فرماتے ہوئے اپنے فرمان عالی شان میں فرمایا کہ :

”ایک دفعہ آپ کی بیویوں کو اکٹھا کر کے دریافت کیا گیا کہ ابو عبداللہ محمد بن خفیف کے بارے میں کچھ بیان کرو۔ سب نے اتفاق رائے کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت ابو عبداللہ میں ہم نے شہوانی شان قطعی نہیں دیکھی اور سب حیران و پریشان تھیں۔ اور یہ بھی بیان کرتی تھیں کہ شیخ ابو عبداللہ کا سلوک سب کے ساتھ برابر کا تھا کہ ہم سے ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ ہمارے شیخ ہمارے ساتھ ملتفت ہیں۔ ان میں وہ خاتون جو وزیر کی بیٹی تھیں۔ اُنہوں نے چالیس برس تک آپ کی خدمت کی تھی۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ تمہارے ساتھ تو شیخ کا کافی وقت گذرا۔ تم ان کے اندرونی راز سے انکشاف کرو۔ تو وزیر کی بیٹی نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب میں شیخ کے نکاح میں آئی تو ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ آج شیخ میرے پاس تشریف لائیں گے۔ میں نے مختلف قسم کے اعلیٰ اعلیٰ کھانے تیار کیے خو زیب و زینت کی۔ جب شیخ تشریف فرما ہوئے تو میں نے کھانا پیش کیا۔ شیخ نے کھانوں کی طرف نگاہ کی اور پھر میری طرف نگاہ کی۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر گریبان میں ڈالا تو مجھے محسوس ہوا کہ آپ کے سینے سے ناف تک کے حصے میں پندرہ گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ نے فرمایا اے وزیر کی لڑکی! مجھ سے پوچھئے کہ یہ گرہیں

کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے دریافت کرنے پر فرمایا یہ سب صبر کی سختی اور تکلیف ہے کہ گرہیں بندھ گئی ہیں۔ میں نے ایسے خوبصورت چہروں اور ایسے عمدہ طعام سے صبر کیا ہے۔ بس اس قدر گفتگو کی اور اٹھ کر چلے گئے۔ میری آپ کے ساتھ سب سے پہلی گستاخی یہی تھی۔"

تصوف میں آپ کے مذہب کی خوبی غیبت و حضور ہے۔ اور وہ اسی کو ہی بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا میں بجد مقدور اسے بیان کروں گا۔ انشاء اللہ تبارک و تعالیٰ۔

غیبت و حضور کی حقیقت کا انکشاف

غیبت و حضور یہ ایسی دو عبادات ہیں کہ جب اس کا عکس کیا جائے تو عین معنی میں مقصود کے اعتبار سے مفہوم متضاد نظر آتی ہیں۔ یہ دونوں الفاظ اربابِ لغت اور اہلِ طریقت دونوں کے مابین مستعمل و متبادل ہیں۔ پس حضور سے مراد وہ حضور قلب ہے جو یقینی دلالت کے ساتھ حاصل ہو تاکہ حکم غیبی اس کے لیے حکم عینی کی مثل ہو جائے۔

غیبت سے مراد اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے سوا دل اس طرح پاک ہو جانا ہے کہ وہ خود سے بھی بلکہ اپنی غیبت سے بھی غائب ہو جائے۔ تاکہ اپنی غیبت میں خود اپنا نظارہ کرے۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ حکم رسوم سے کنارہ کش ہو جائے جیسے انبیائے کرام علیہم السّلام حرام اور دوسرے تمام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں تو طالب اسی طرح خود سے غائب ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہے اور ظاہر ہے کہ جو بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہے گا وہ اپنے آپ سے لازمی طور پر غائب ہوگا۔ اس کے دل کا مالک حقیقی خالق حقیقی ہے۔ تو جب اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے جذبہ کی کشش طالب کو مقہور کر لے تو پھر اس کے قریب غیبتِ دل حضور

کی طرح ہوتی ہے۔ اور اُس کے دل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی شرکت اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کی تقسیم اُٹھ جاتی ہے اور خود سے ہر قسم کی نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔ ایک بزرگ کا فرمان عالی شان ہے :۔

وَلِیْ فُؤادٌ وَ اَنْتَ مَالِکُہٗ بلا شریك فكيف ينقسمُ

میرا ایک قلب ہے اور تو ہی اکیلا اُس کا مالک ہے۔ پس وہ تقسیم کس طرح ہو سکتا ہے۔

جبکہ اُس کے بجز قلب کا کوئی مالک نہیں ہے تو پھر غائب رکھے یا حاضر، اُسی کے تصرف اور اُسی کے حکم میں رہے گا۔ تمام احباب طریقت کا یہی طریقہ ہے صرف فرق یہ ہے کہ بزرگانِ دین نے اس بات میں کلام کیا ہے کہ ان میں سے کون سا حکم مقدم ہے۔ ایک جماعت حضور کو غیبت پہ مقدم سمجھتی ہے اور دوسری جماعت غیبت کو حضور پر جانتی ہے۔ جس طرح کہ میں نے صحو و شکر کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ البتہ صحو و شکر اوصاف کی بقا پہ دلیل قائم کرتے ہیں۔ لیکن غیبت و حضور اوصاف کی فنا کی خبر دیتے ہیں۔ اس لیے کہ حقیقت و حضور کا اعزانہ ہے۔ اور وہ لوگ جو حضور کو غیبت پر مقدم سمجھتے ہیں وہ حضرت ابن عطاء، حضرت حسین بن منصور، حضرت ابو بکر شبلی، حضرت بندار بن حسین، حضرت ابو حمزہ بغدادی اور حضرت سمنون محب رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم ہیں۔ اور اہل عراق کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستہ میں سب سے بڑا حجاب تو خود تیری ذات ہے۔ جب تو خود، خود سے غائب ہو جائے گا تو تیری ہنسی کے اثبات والی آفات تیرے اندر فنا ہو جائیں گی۔ اور زمانے کے اصول تبدیل ہو جائیں گے۔ مریدین کے تمام مقامات تیرے واسطے حجاب بن جائیں گے۔ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کو چاہنے والے کے تمام احوال تیرے واسطے آفت بن جائیں گے زنار بن جائیں گے۔ اور تیری آنکھ

خود اپنے سے اور اپنے غیر سے بند ہو جائے گی۔ تیرے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ کی آگ سے بشریت کے اوصاف جل جائیں گے۔ اور صورتِ حال ایسی ہو جائے گی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تیری غیبت کی حالت میں تجھے حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے باہر لائیں گے اور تجھے اپنا عزیز کلام سنائیں گے اور توحید کے لباس اور خلعتِ مشاہدہ سے سرفراز فرمائیں گے تاکہ تو خود سے غائب ہو اور کسی حجاب کے بغیر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ اور اگر تو اپنی صفات کے ساتھ حاضر رہا تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے قرب سے غائب رہے گا۔ اس لیے کہ تیرا خود میں حاضر رہنا تیرے لیے ہلاکت، تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ — اور بے شک تم ہی ہمارے پاس تنہا حاضر ہوئے۔ جیساکہ ہم نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

چنانچہ حضرت حارث محاسبی، حضرت جنید بغدادی، حضرت سہل بن عبد اللہ، حضرت ابو حدّاد، حضرت ابو حمدون، حضرت قصار، حضرت ابو محمد حریری، حضرت حصری اور صاحب مذہب حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور دوسری جماعتوں نے متفقہ طور پر فرمایا۔ حضور غیبت سے مقدم ہے۔ اس لیے تمام جمالِ جمیل حضوری میں ہے۔ اور غیبت تو گویا اللہ تبارک و تعالیٰ کی حضوری کا ایک ذریعہ ہے۔ جب منزل حاصل ہو جاتی ہے تو واسطہ ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ اس لیے جو بھی کوئی خود سے غائب ہوگا تو وہ لامحالہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ اور غیبت کے فنا کا فائدہ حضور ہے اور غیبت بے حضور میں کیا نور ہو سکتا ہے تو ہر طالب کے لیے ضروری ہے کہ تارکِ غفلت ہو تاکہ غیبت سے بھی مقصودِ حضور حاصل ہو اور جب مقصود حاصل ہو جائے

تو علت ساقط ہو جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَیْسَ الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْبِلَادِ   اِنَّمَا الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْمُرَادِ

وہ غائب نہیں جو شہروں اور آبادیوں سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو اپنی مراد سے غائب ہو۔

لَیْسَ الْحَاضِرُ مَنْ لَیْسَ لَهٗ مُرَادٌ   اِنَّمَا الْحَاضِرُ مَنْ لَیْسَ لَهٗ فُؤَادٌ

اور وہ حاضر نہیں جس کی کوئی مراد ہی نہ ہو بلکہ حاضر وہ ہے جس کا دل ہی نہ ہو۔

حَتّٰی اسْتَقَرَّ فِیْهِ الْمُرَادُ

یہاں تک کہ اس میں کوئی مراد قرار حاصل کر سکے۔

یعنی غائب وہ نہیں ہے جو شہروں اور آبادیوں سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو تمام ارادوں کو چھوڑ دے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ اُس کا ارادہ ہو جائے۔ اور وہ بھی حاضر نہیں ہے جو دنیا کی چیزوں کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ حاضر وہ ہے جس کا خواہش کرنے والا دل ہی نہ ہو تاکہ اُس میں دنیا و آخرت کی فکر پیدا نہ ہو اور نہ ہی اُس میں خواہشات کا گذر ہو۔ اسی معنیٰ میں بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ کا فرمان عالی شان ہے:

"جو شخص اپنے نفس اور اُس کی خواہشات اور دوستوں سے محبت کرنے سے فانی نہیں ہوا تو وہ مراتب کے مابین ٹھہرا ہوا ہے تاکہ یا اُسے حظِ نفس حاصل ہو یا بہتر انجام حاصل ہو۔

المعروف قول یہ کہ ایک مرید مریدانِ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔ جب اُنھوں نے عبادت خانے پر پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے دریافت کیا تم کون ہو اور کس سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟ وہ بولا۔ میں بایزید سے

ملاقات کی خواہشات رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بایزید کون ہے؟ اور کہاں رہتا ہے؟ اور کیا کرتا ہے اور وہ کیا شے ہے؟ میں تو خود ایک عرصہ سے بایزید کی تلاش میں ہوں لیکن اُسے حاصل نہیں کر سکا۔ جب اُس مرید نے حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا حال سنایا تو آپ نے حال سُن کر فرمایا:۔

اَخِیْ ذَھَبَ فِی الذَّاھِبِیْنَ فِی اللّٰہِ۔

میرا بھائی بایزید فنا فی اللہ لوگوں میں چلا گیا ہے۔

ایک آدمی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا فرمایا کچھ عرصہ میرے پاس رہ تاکہ میں کچھ باتیں تجھ سے کروں۔ پھر فرمایا:۔

"اے جواں مرد تو مجھ سے وہ شے طلب کر رہا ہے جس کی تلاش میں مَیں عرصہ سے سرگرداں ہوں۔ کئی برس سے میرا یہ ارادہ ہے کہ ایک ساعت کے لیے میں اپنی جانب سے خاص ہو جاؤں۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ تو اس صورت میں میں تیری جانب کس طرح حاضر ہو سکوں گا۔ پس غیبت میں حجاب کی وحشت ہوتی ہے اور حضور میں کشف و مشاہدہ کی راحت اور تمام احوال میں کشف حجاب کی مثل نہیں ہوتا"

شیخ ابو سعید علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تَقَشَّعَ غَیْمُ الْھِجْرِ عَنْ قَمَرِ الْحُبِّ
وَاَسْفَرَ نُوْرُ الصُّبْحِ عَنْ ظُلْمَۃِ الْغَیْبِ

محبوب کے چہرے سے جدائی کا بادل چھٹ گیا۔ اور غیبت کے اندھیرے سے صبح کا نور روشن ہو گیا۔

اور اس معنیٰ کا فرق بیان کرنے میں ایک لطیفہ ہے جو ظاہر میں قال کے ساتھ متعلق

نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اُس کا تعلق حال کے ساتھ ہے۔ اور یہ عبارات آپس میں نزدیک نظر آتی ہیں۔ یعنی کیا بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونا اور کیا خود سے غائب ہونا۔ اس لیے کہ غیبت سے مراد خود بخود حضور ہی ہے۔ اور جو کوئی خود سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہو سکتا اور جو کوئی حاضر بحق ہے وہ لامحالہ خود سے غائب ہے۔ جس طرح کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی فریاد خود پر مصیبت کے وارد ہونے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ تو اس حالت میں خود سے غائب تھے تو یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُس کی اسس فریاد کو ان کے صبر کے مخالف قرار نہیں دیا۔ اور جب آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:۔

اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا:۔

اِنَّہٗ کَانَ صَابِرًا فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ

بیشک وہ صبر کرنے والا تھا تو ہم نے اُسے قبول کیا اور جو اُسے تکلیف تھی دُور کر دی۔

اور یہ حکم پوری طرح اس قصہ میں ظاہر ہے اسے غور سے دیکھئے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"مجھ پر ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ زمین و آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور کبھی ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ میں اس رغبت پر روتا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں ان سے خبردار ہوتا ہوں۔ نہ اپنے سے"

اور یہ درجۂ کمال کی طرف اشارہ ہے اور یہی خاص حضوری ہے۔ حتیٰ کہ معنی غیبت

اور حضور کو اختصار کے طور پر بیان کیا گیا۔ بہر حال اس بیان سے حضرت خفیف کا مسلک تیری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس جماعت کی مراد غلبت وحضور سے کیا ہے اور اس کی شرح اور بسط سے کتاب لمبی ہو جائے گی۔ اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور میرا مذہب کتاب میں اختصار کے ساتھ ہے۔ اور بہتر جاننے والی رب کریم کی ذات ہے اور اُسی ذات کریم کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ جس کا رب اُس کا سب کچھ ہے۔

فرقہ سیاریہ کی حقیقت کا انکشاف:

فرقہ سیاریہ کے لوگوں کی نسبت حضرت ابو العباس سیاری علیہ الرحمۃ سے ہے جو مرو کے امام و پیشوا تھے۔ آپ تمام علوم کے عالم اور حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نشین تھے۔ آج بھی نسا اور مرو میں اس طبقہ کے لوگ وافر تعداد میں موجود ہیں۔ آپ کے مذہب کے علاوہ کوئی مذہب بھی تصوف میں اپنی حالت پر باقی نہیں رہا۔ مگر آپ کا مذہب قائم ہے۔ اس لیے مرو اور نسا کے لوگ آپ کی پیروی سے منحرف نہیں ہیں اور جو لوگ ان کے مذہب پر قائم ہیں وہ مرد اور نسا میں ہی ہیں بلکہ مرو کے مکین آج بعض لوگوں نے بڑے لطیف رسائل لکھے ہیں۔ اور ان کے درمیان خط و کتابت کی صورت میں کلام ہوتی رہی ہے۔ میں نے مرو میں اُن میں سے بعض مکتوبات دیکھے ہیں جو بڑے عمدہ ہیں۔ جو نہایت تفسیرِ مضمون سے مملو تھے۔ ان میں جمع و تفریق پر اچھی بحث تھی۔ اور یہ لفظ اہلِ علم میں مشترک ہے۔ اور ہر گروہ اس لفظ کو اپنے کام میں لاتا ہے تا کہ ان کی عبارات سمجھی جائیں۔ مگر اس سے ہر گروہ کی مراد الگ ہوتی ہے۔ چنانچہ حسابی فرقہ کے لوگ جمع و تفریق سے کسی چیز کے اعداد کا جمع ہونا اور الگ ہونا مراد لیتے ہیں۔ نحوی لوگ الفاظ کا لغوی

اور رسمی طور پر اتفاق اور معانی کے اعتبار سے افتراق مراد لیتے ہیں۔ ارباب فقہ جمع قیاس اور تفرقہ صفات مراد لیتے ہیں۔ لیکن اس طائفہ صوفیائے کرام میں اس سے جو مراد ہے اس میں اختلافِ مشائخ کی تفصیل بیان کرتا ہوں تاکہ ان کی مراد جو حقیقت ہے وہ تم پر منکشف ہو اور جمع و تفرقہ سے مشائخ کے ہر گروہ کی مراد کا تجھے علم بخوبی حاصل ہو جائے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ اور اللہ ہی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ جس کا اللہ ہے اُس کا سب کچھ ہے۔

جمع اور تفرقہ کی حقیقت کا انکشاف: اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے اپنی دعوت میں مخلوق کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا:۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ۔	اللہ تعالیٰ سب کو سلامتی کی طرف دعوت دیتا ہے۔

پھر ہدایت کے معاملہ میں ان میں تفریق کر دی اور ارشاد فرمایا:۔

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔	اور وہ جسے چاہتا ہے جادۂ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

یعنی تمام مخلوق کو از روئے دعوات دار السلام کی طرف بلا کر اپنی مشیّت کے ظہور کے لیے ایک طبقہ کو دُور کر دیا۔ ایک طبقہ کو دار السلام کی جانب جمع فرمایا۔ یعنی ایک طبقہ کو بزرگی عطا فرمائی۔ اور ایک طبقہ کو آفت کی طرف مائل کر دیا۔ تو اس معنیٰ میں جمع کا راز مراد حق تعالیٰ معلوم ہوئی۔ پس اس معنیٰ کے لحاظ سے جمع ایک حقیقت اور خاص راز اور حق تعالیٰ مراد ہو گا۔ جبکہ اُس کے حکم اوامر کا اظہار تفرقہ ہو گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کا گلا کاٹ دو لیکن خود یہ چاہا کہ نہ کاٹے۔ اور شیطان کو حکم دیا کہ حضرت آدم

علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرے لیکن خود یہ چاہا کہ وہ سجدہ نہ کرے۔ اور حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ گندم نہ کھانا لیکن خود چاہا کہ وہ کھالے۔ اسی طرح بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے جمع وہ ہے جو اس کے اوصاف سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اس کے افعال کی وجہ سے الگ ہو۔ اور یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادے کے ثبوت میں مخلوق کے ارادے کا منقطع ہونا اور مخلوق کے تصرف کا ختم ہوجانا ہے۔ اور اس حد تک جمع اور تفریق اہلسنت وجماعت کا اجماع ہے معتزلہ کے علاوہ کہ وہ مشائخ طریقت سے جُدا ہیں۔ علاوہ ازیں اس عبارت جمع وتفریق کے استعمال میں مختلف گروہ ہیں۔ ایک گروہ انھیں توحید کی طرف لے جاتا ہے۔ اور ایک گروہ اوصاف حق کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک گروہ بندے کے اوصاف کی طرف۔ جو درجۂ اوصاف باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم میں ہے تو وہ ہی توحید کا راز ہے اور اُس سے بندے کا کسب منقطع ہے۔ اور جو درجہ بندہ کے اوصاف میں ہے وہ توحید کے مسئلہ پر عقیدۂ راسخ اور درست ارادے سے عبارت ہے۔ اور یہ قول حضرت ابو علی رودباری علیہ الرحمۃ کا ہے۔ اور ایک گروہ وہ ہے جس کا یہ قول ہے کہ اوصاف بندہ میں ہوں وہ تمام صفات اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہوں۔ اور اس میں امتیاز یہ ہو کہ کسب بندہ کا اس سے منقطع ہو اور جو ارادۂ الٰہیہ میں ہو اُس سے وہ متنازع نہ ہو تو جمع ذات وصفات اس کے اندر ہو۔ اس لیے کہ:

اَلْجَمْعُ تَسْوِیَۃٌ فِی الْاَصْلِ   جمع اصل میں مساوی کرنے کو کہتے ہیں۔

اور اس کی ذات وصفات کے بجز کوئی اس کا مساوی نہ ہو۔ اور اس کے فرق کرنے میں عبارت اور تفصیل مخلوق کے جمع نہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تبارک

و تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہی اُس سے خاص ہے۔ اور صفات کا قیام اس سے ہے اور اس کے وجود کی خصوصیت اس سے ہے۔ اور اس کی دو صفات ہیں۔ اس لیے کہ وحدانیت میں فرق و عدد جائز نہیں اور اس صورت میں بجز اس معنٰی کے حکم جمع جائز نہیں۔

احکام میں تفرقہ کا راز معلوم کرنا: یہ افعال اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ و جل کے ہیں جو تمام احکام میں متفرق ہیں۔ ایک کے لیے وجود کا حکم ہے اور دوسرے کے لیے عدم کا حکم ہے۔ باقی جو عدم ممکن الوجود ہو اس میں ایک کے لیے فنا کا حکم ہوتا ہے اور دوسرے کے لیے بقا کا حکم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور طبقہ ان الفاظ کا علم پہ اطلاق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

اَلْجَمْعُ عِلْمُ التَّوْحِيْدِ وَ التَّفْرِقَةُ عِلْمُ الْاَحْكَامِ۔

علم توحید کا نام جمع ہے اور علم احکام کو تفریق کہتے ہیں۔

تو علم اصول جمع ہے اور علمِ فروع تفرقہ اور اس کے معنی بھی وہی ہوئے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہ بھی قدیم جو اس ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ کا فرمان عالی شان ہے:

اَلْجَمْعُ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَرْقُ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ۔

جمع وہ ہے جس پر علم والے متفق ہوں اور تفرقہ وہ ہے جس میں علم والوں کا اختلاف ہو۔

پھر تمام اہلِ تحقیق صوفیائے کرام عبارات اور رموز میں تفرقہ لفظ سے مراد بندے کے اعمال اور کسب ہے اور جمع سے مراد اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے مواہب و عطیات ہیں۔ یعنی مجاہدہ و مشاہدہ مراد ہیں۔ تو جب تک بندہ مجاہدہ

سے راہ بنا رہا ہے تفریق میں ہے۔ اور جب بندہ پر ہدایت و عنایت باری تعالیٰ ہونے لگے تو وہ مقامِ جمع ہے۔ اور بندہ کی وہ عزبت ہے کہ اس میں بندہ اپنے افعال و احکام میں مجاہدہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے جمال کے ساتھ ہر آفت سے اپنے فعل سے بچا ہوتا ہے اور خود کو فضلِ خداوندی میں مستغرق جانتا ہے۔ اور مشاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی سمجھتا ہے تو اس کا قیام حق تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کے اوصاف کا وکیل اور کارساز ہوگا۔ اور اُس کے تمام افعال کی اضافت اُسی کی جانب ہوگی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے فعل کی نسبت سے بھی چھوٹ جائے گا۔ جیسا کہ حضور سید عالم نورِ مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں جبرائیل سے اور جبرائیل نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے خبر دی کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا:

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَیَدًا وَفُؤَادًا وَلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ۔

جب میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔ تو میں اُس کے لیے کان آنکھ، ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں کہ وہ مجھ ہی سے سنتا ہے اور مجھ ہی سے دیکھتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے میری قوت سے کہتا ہے۔ جو کچھ دیکھتا ہے میری قوت سے دیکھتا ہے اور جو کچھ پکڑتا ہے میری قوت سے پکڑتا ہے۔

یعنی جب میرا بندہ مجاہدہ کے ذریعہ ہمارا قرب حاصل کر لیتا ہے تو ہم اُسے اپنی دوستی کی منزل تک پہنچا کر اُس کی ہستی کو فنا کر دیتے ہیں اور

اُس کے افعال کی نسبت اُس کی جانب سے اُٹھا دیتے ہیں تاکہ وہ جو کچھ سُنے ہمارے ذریعہ سے سُنے، جو کچھ کہے ہمارے ذریعہ سے کہے، جو کچھ دیکھے ہماری وجہ سے دیکھے اور جو کچھ پکڑے ہمارے وسیلہ سے پکڑے یعنی میری یاد میں اس قدر مغلوب ہو جاتا ہے کہ میری ہی یاد باقی رہتی ہے اور اُس کا ہر فعل میرے ذکر میں فنا ہو جاتا ہے اور میری یاد اس کے لیے سلطانِ ذکر ہو جاتی ہے اور اس کی نسبت آدمیت میرے ذکر سے منقطع ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر میرا ذکر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غلبۂ حال میں اس صفت تک پہنچ جاتا ہے۔

ابو یزید کا فرمان عالی شان ہے:

سُبحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی

میری ذات پاک ہے، میری ذات اور شان کس قدر بلند ہے۔

اور یہ کہنا اُن کی گفتار کا نشانہ ہے اور حقیقت میں یہ کہنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بندہ کے پردہ میں ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ عمر کی زبان پر حق بولتا ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ قہریتِ حق انسان پر اپنی سلطانیت ظاہر کرتی ہے اور اسے اس کی ہستی سے اپنی جانب لے لیتا ہے تاکہ اس کی گفتگو رب کی گفتگو ہو۔ اس وقت اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ اپنی شان اس میں مخروج کرتا ہے۔ اس سے یہ نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو دوسرے میں حلول تسلیم کیا جائے۔ یا صانع اپنی مصنوع میں ایک ہو جائے یا وہ معاذ اللہ کسی میں حلول کرے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک و منزہ اور بلند تر ہے۔ جو ملحد اور بے دین لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی بندہ کے

دل پر غالب ہو جائے اور اس کے غلبہ محبت اور افراطِ حال سے عقل و طبیعت اس کی برداشت سے عاجز آجائے۔ پھر ہر امر اس کے کسب و فعل سے ساقط ہو۔ اس وقت اس مرتبہ و مقام کو جمع کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد میں مستغرق اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی دوستی میں مغلوب تھے تو آپ سے ایک فعل صادر ہوا لیکن اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے اُس کی نسبت اُن کی طرف سے اٹھا دی اور فرمایا:

"اے پیارے حبیب وہ فعل تو میرا فعل تھا نہ کہ آپ کا فعل تھا"

اس فعل کے باوجود اُس فعل کا نشانہ تو آپ کی ذاتِ کریمہ تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔

اے پیارے حبیب! وہ مشتِ خاک دشمنوں کے چہرے پر تم نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی۔

اور جب اس نوعیت کا ایک فعل حضرت داؤد علیہ السّلام سے حاصل ہوا تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

اور داؤد علیہ السّلام نے جالوت کو قتل کیا۔

کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اُس وقت تفرقہ کی حالت میں تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جو بندے کی طرف سے منتسب ہو وہ محلِ آفت اور حوادثات کے پہنچنے کا سبب ہے اور فعل بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منتسب ہو وہ قدیم اور آفت سے پاک ہوتا ہے اور دوسرے شخص کے فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کریں جبکہ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ خود قدیم اور حوادث سے پاک ذات ہے۔ پس جب کسی شخص سے ایسا فعل

ظاہر ہو جو انسانوں کے افعال کی جنس میں سے نہ ہو تو لامحالہ اُس کا فعل اللہ تبارک و تعالیٰ کا فعل ہو گا۔ اور معجزات و کرامات سب اسی جنس سے ہیں۔ اور جو فعل عادت کے مطابق ہو وہ تفریق ہے اور جو فعل عادت کے خلاف ہو وہ جمع ہے۔ اس لیے ایک رات میں قاب قوسین کے مقام تک پہنچنا عادت کے مطابق نہیں ہے اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فعل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ منصب اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے انبیائے کرام علیہم السّلام اور اولیائے رحمٰن کو عطا فرماتا ہے۔ اور اپنا فعل ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کے افعال کو اپنی جانب منتسب کرتا ہے۔ کیونکہ اُس کے دوستوں کا فعل خود اُس کا ذاتی فعل ہوتا ہے۔ اور اُن کی بیعت اُس کی بیعت۔ یہی وجہ ہے کہ خاصۂ حق کی بیعت اُس کی بیعت ہوتی ہے۔ اور محبوبِ خاص کی اطاعت اُس کی اطاعت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ۔ — بے شک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:۔

وَ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ — جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

پس اولیائے رحمٰن اسرار و باطن میں تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ حالتِ جمع میں ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے اعمال میں اور ظاہری طور پر تفرقہ کی حالت میں ہوتے ہیں تاکہ باطن کے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ جمع ہونے سے ان کی دوستی مضبوط ہو۔ اور ظاہری طور پر افتراق میں بندگی کو قائم رکھنا درست ہو۔

جیسا کہ حالتِ جمع میں مشائخ میں ایک شیخ کا فرمان عالی شان ہے:

قَدْ تَحَقَّقْتَ بِسِرِّیْ فَنَاجَاكَ لِسَانِیْ
فَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانٍ وَّ افْتَرَقْنَا لِمَعَانِیْ

میرے باطن میں ثابت ہو گیا تو میری زبان نے تجھ سے سرگوشیاں کیں۔ پس ہم بعض معانی کے اعتبار سے تو جمع میں اور بعض معانی کے اعتبار سے تفرقہ میں ہیں۔

فَلِبَعْضٍ غَیْبِكَ التَّعْظِیْمُ لَحْظَةَ عَیَانِیْ
فَلَقَدْ صَیَّرَكَ اَنْوَاجِدُ مِنَ الْاِجْهَادِ اَكَانِیْ

پس تیری شان بلند نے اگر تجھے میری آنکھ سے غائب بھی کر دیا تو میرے جذبۂ محبت نے پھر بھی تجھے میرے لیے پناہ گاہ بنا دیا۔

حاصل کلام یہ کہ اجتماع اسرار کو جمع کہتے ہیں اور زبان سے مناجات کو تفریق اور جب جمع و تفریق ایک جگہ جمع ہو کر دل میں مرکوز ہو جائیں تو پھر اس حال کا اُس حال والا خود ہی قاعدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ کلام نہایت لطیف ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ اور یہ سب کچھ اُسی کی توفیق سے ہے۔ اور جس کا رب ہے اُسی کا سب کچھ ہے۔

فصل:۔ تفرقہ کے مختلف اسرار کا اظہار:

یہاں اس کی مثل ایک اور اختلاف ہمارے اور اُس گروہ کے مابین ہے جن کا یہ قول ہے کہ جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی کے لیے ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں متضاد ہیں۔ لہٰذا جب سلطانِ ہدایت مستولی ہوتا ہے تو ولایت کسب و مجاہدہ ساقط ہو جاتا ہے اور محض تعطل ہے۔ اس لیے کہ جب تک امکانِ عمل اور طاقت کسب و مجاہدہ بظاہر گر وہ بندہ سے ساقط نہیں

ہوتا۔ اس وجہ میں کہ تفرقہ سے الگ نہیں ہے جیسے نور آفتاب سے اور عرض جوہر سے اور صفت موصوف سے تو مجاہدہ ہدایت سے اور شریعت حقیقت سے اور طلب حاصل ہونے سے اسماً جدا نہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ مجاہدہ مقدم ہو یا مؤخر ہو۔ لیکن یہ بہتر ہے کہ مجاہدہ مقدم ہو۔ اس پر مشقت زیادہ ہو اور اس پر کہ مجاہدہ مؤخر ہو اسے رنج و کلفت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ حضوری حضور میں ہوتا ہے اور اسے کہ نفی مشقتِ اعمال ہو تو نفی عین عمل نظر آتی ہے۔ اور وہ بہت بڑی خطا میں ہے اور روا نہیں کہ بندہ ایسے درجہ میں پہنچے کہ کل اپنے اوصاف کو معیوب و معلولی جانے۔ جب اوصافِ محمود کو اپنی نظر سے عیب دار نہیں کر سکتا تو ناقص بھی دیکھنا چاہیئے تاکہ اوصافِ مذموم معیوب تر نظر آئیں۔ میں نے یہ بات یہاں اس لیے بیان کر دی ہے کہ جاہلین کا ایک طبقہ اس معاملے میں غلطی میں پڑ گیا ہے جو حقیقت سے بیگانگی کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مقصود کا حصول ہماری کسی بھی کوشش کا نتیجہ نہیں۔ کہ ہمارے افعال و طاعات سب عیب دار ہیں تو پھر ناقص مجاہدے کا اختیار نہ کرنا ہی اُسے اختیار کرنے سے زیادہ بہتر ہوگا۔ میں انھیں کہتا ہوں کہ ہمارے کردار کو بالاتفاق منفرد کرتے ہو اور فعلوں کو محلِ مشقت اور شر اور آفت کا منبع کہتے ہو تو ضرور نہ کرنے کو بھی ایک فعل کہنا پڑ گیا۔ تو جب کرنا اور نہ کرنا دونوں فعل ہوئے اور فعل محلِ علّت ہے تو کیوں نہ کرنے سے بہتر جانتے ہو۔ یہ تو ظاہر خسارہ اور واضح نقصان ہے۔ پس مومن اور کافر کے درمیان یہ بہت ہی بہتر فرق ہے اس لیے کہ مومن اور کافر سب کا اتفاق ہے کہ بندوں کے افعال محل عیب ہوتے ہیں۔ پس مومن تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے سبب سے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر جانتا ہے۔ تو جمع اُسے کہتے ہیں کہ آفت دیکھنے میں تفریق کا حکم اُس سے ساقط ہو جائے۔ اور تفریق یہ ہے کہ جمع میں حجاب ہو تو تفریق

کو ہی جمع جانے۔

زین کبیر علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے :۔

اَلْجَمْعُ الْخُصُوْصِیَّۃُ وَالتَّفْرِقَۃُ الْعُبُوْدِیَّۃُ مَوْصُوْلُ اَحَدُھُمَا بِالْاٰخِرَۃِ غَیْرَ مَفْعُوْلٍ عَنْہُ۔

مشاہدہ خداوندی سے خاص ہونا بندے کے لیے جمع ہے اور اُس کی عبودیت بندہ کے لیے تفرقہ ہے۔ اور یہ دونوں باہم ملے ہوئے ایک دوسرے سے الگ نہیں۔

کیونکہ مشاہدہ سے مخصوص ہونے کی نشانی خود عبودیّت کی محافظت ہے۔ جب معاملات کا دعویٰ گو اپنے معاملات میں قائم نہ ہو تو وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہوتا ہے پس یہ تو رَوا ہے کہ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں مجاہدے کا بوجھ اور تکلیف کا رنج اُس سے اُٹھ جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی واضح عذر کے علاوہ جو شریعت کے حکم میں عام ہو۔ احکام کا بجالانا اُس کے ساتھ جمع ہی رہے گا ـــــ اور اب میں اس کے معنی بیان کرتا ہوں تاکہ تجھے پتہ چل جائے۔

اقسامِ جمع :۔ جاننا چاہیئے کہ جمع مندرجہ ذیل دو اقسام میں منقسم ہے :۔

۱۔ جمع کی پہلی قسم جمع سلامت ہے۔
۲۔ جمع کی دوسری قسم جمع تکسیر ہے۔

جمع سالم اُسے کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے غلبۂ حال اور قوّتِ عمل اور وجد و قلق میں شوق ظاہر ہو۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہی اپنے بندہ کی حفاظت فرماتا ہو اور اپنے حکم اُس کے ظاہر پر جاری فرمائے اور وہی بندہ کی اس تعمیل میں نگاہ رکھنے والا ہو اور اُسے مجاہدہ میں نہ ڈالے۔ جیساکہ حضرات سہل بن عبداللہ ابو حفص حداد، ابوالعباس سیاری مروزی صاحبِ مذہب حضرت بایزید بسطامی

حضرت ابوبکر شبلی ، حضرت ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہم اور بزرگان دین کی ایک جماعت
جو دائماً مغلوب الحال رہتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آجاتا تو یہ اصلی حالت پر
لوٹ آتے اور جب نماز پڑھ لیتے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے۔ اس لیے کہ جب تک
تم محل تفرقہ میں رہو گے تو تم ہی ہو گے اور احکام بجالاؤ گے لیکن جب اللہ تبارک
و تعالیٰ تمھیں جذب کر کے مغلوب بنادے گا تو وہ اپنے احکام کی زیادہ بہتر طریقے سے
تجھ پر نظر رکھے گا اور دونوں جہت محفوظ کرے گا۔ ایک یہ کہ بندگی کی علامت تجھ سے نہ
اُٹھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ اپنے اس وعدے کو بھی قائم رکھے کہ حضور نبی پاک صاحب
لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی شریعت پاک کو کبھی بھی منسوخ نہیں کروں گا۔

جمع تکسیر کا اظہار: جاننا چاہیئے کہ جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ حکم اور اس کے
متعلقات سے مدہوش ہو۔ اس کا حکم مجانین کی طرح ہو گا
تو ان میں ایک معذور ہوتا ہے اور دوسرا مشکور ہوتا ہے۔ مشکور کا حال مقدور سے
طاقت ور ہوتا ہے۔ اور ان تمام حالوں میں جمع کا مخصوص مقام نہیں ہوتا۔ حال مفرد نہ
کہ جمع جمع ہمت اس معنیٰ میں اپنا مطلوب ایک گروہ کا کشف معنی مقامات میں ہونا
ہے اور ایک گروہ کشف اندر احوال کا طالب ہے۔ اور یہ دونوں وقت صاحب مراد
کے لیے جمع بنفی کے حاصل ہوتے ہیں۔ کسی بزرگ کا فرمان عالی شان ہے:۔

لِاَنَّ التَّفْرِقَۃَ فَصْلٌ وَالْجَمْعُ وَصْلٌ۔ تفرقہ جدائی ہے اور جمع ملاپ ہے۔

اور یہ جملہ تمام چیزوں میں درست آتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارادہ۔
حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جمع تھا کہ آپ کے ارادے کے علاوہ آپ کو
کوئی ارادہ زیب نہ دیتا تھا۔ اور مجنوں کے ارادہ کا جمع لیلیٰ کے ساتھ تھا کہ کائنات
میں وہ اس کے علاوہ کسی کو نہ دیکھتا تھا۔ اور اس کے لیے تو تمام موجودات لیلیٰ

کی ہی صورت تھیں۔ ایسی مثالیں بکثرت ہیں جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک دان اپنے عبادت خانے میں تھے کہ ایک شخص آیا اور دریافت کیا،

هَلْ اَبُوْ يَزِيْدَ فِي الْبَيْتِ کیا بایزید گھر میں ہیں تو حضرت بایزید
فَقَالَ اَبُوْ يَزِيْدَ مَافِي الْبَيْتِ نے کہا گھر میں بجز اللہ کے
اِلَّا اللهِ۔ کوئی نہیں ہے۔

یعنی حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کمرے میں ہی موجود تھے لیکن جواب نہ دیا کہ میرے گھر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی شے نہیں ہے۔

مشائخ میں سے ایک شیخ کا فرمان عالی شان ہے :۔

"ایک درویش مکہ معظمہ میں آیا اور اپنی قیام گاہ میں مشاہدہ خانہ میں ایک برس رہا۔ درویش کچھ خورد و نوش نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی کبھی سوتا تھا اور نہ ہی کبھی غسل کرتا تھا۔ نہ ہی وہ کبھی سویا اور نہ ہی کبھی اس نے رفع حاجت کی۔ اُس نے اپنی جلس ہمت اور ارادہ کو بیت اللہ شریف کی رویت کی طرف منسوب کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہی اُس کے جسم کی غذا اور جان کا پانی ہو گیا۔"

ان سب باتوں کی اصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ اپنی محبت کے خمیر کو جو کہ ایک موتی ہے ٹکڑوں کی شکل میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور اپنے رفقاء میں سے، ہر ایک کے لیے اُس کی محبت میں گرفتاری کی مقدار اُن ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑہ مخصوص کر دیتے ہیں۔ اس وقت جوشِ انسانیت، لباسِ طبیعت، پردۂ مزاج اور پردۂ حجاب اُس سے اُٹھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اجزاء اپنی قوت سے اس جز میں مل کر ایک صفت میں متصف کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مجسم محبت بن جاتا ہے۔ اور اس کی تمام حرکات اسی کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جسے

اربابِ تصوّف اور اہلِ زبان لسانِ جمع کہتے ہیں۔ اس معنیٰ میں حضرت حسین بن منصور علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا سَيِّدِىْ وَ مَوْلَائِىْ
لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا مَقْصَدِىْ وَ مَعْنَائِىْ

میں حاضر ہوں اے میرے آقا اور میرے سردار میں حاضر ہوں
میں حاضر ہوں اے میرے مقصد و معنی میں حاضر ہوں۔

يَا عَيْنَ عَيْنِىْ وَ جُوْدِىْ يَا مُنْتَهِىْ هِمَّتِىْ
يَا مُنْطِقِىْ وَ اِشَارَاتِىْ وَ اِيْمَائِىْ

اے میری ذات اور وجود کی بنیاد اور اے میری ہمتوں کے منتہی اور
اے میری کلام اور میرے اشارے اور ایماء۔

وَ يَا كُلَّ كُلِّىْ وَ يَا سَمْعِىْ وَ بَصَرِىْ
وَ يَا جُمْلَتِىْ وَ مَا عُنْصَرِىْ وَ اَجْزَائِىْ

اے میرے کل کے کل اور اے میرے کان اور اے میری آنکھ -
اے میرے کل اے میرے عنصر اور میرے اعضاء و اجزاء۔

پس جو کوئی اپنے اوصاف میں مستعار اور عارضی ہوتا ہے۔ اُس کا اپنے وجود کو ثابت کرنا بھی اُس کے لیے ننگ و عار کا سبب ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف اُس کی توجہ کفر ہوتی ہے اور موجودات اُس کی نظر میں خوار ہوتے ہیں۔ پھر اہلِ زبان سے ایک گروہ کلام کرتے وقت عبادت کو تعجب انگیز بنانے کے لیے کہہ دیتا ہے کہ یہ جمع الجمع ہے، یہ کلمہ عبارت کی رُو سے تو اچھا ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے یہی بہتر ہے کہ جمع کو جمع نہ کہا جائے۔ کیونکہ پہلے تفرقہ ہوگا تو پھر ہی اُس پر جمع کا ورود روا ہوگا۔ اور جب جمع کی جمع ہوگی

تو وہ تو تفرقہ بن جائے گا اور جمع کو اپنے حال سے گرا دے گا۔ اور یہ عبارت محل تہمت بن جائے گی کیونکہ جو آدمی جمع کی حالت میں ہو تو اسے اپنے اُوپر، نیچے یا اِدھر اُدھر کوئی چیز نظر آئی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کونین اور تمام عالم شب معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاحظہ فرمائے۔ اور کسی چیز کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا۔ اس لیے کہ وہ جمع کے ساتھ جمع تھے اور مجتمع کا تفرقہ آپ نے مشاہدہ نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی آپ کی آنکھ نہ جھپکی اور نہ ہی حد سے بڑھی۔

میں نے شروع ہی میں اس مضمون پہ ایک کتاب تحریر کر کے اُس کا نام "کتاب البیان لاہل الصیان" رکھ دیا تھا۔ اور اپنی کتاب "بحر القلوب" میں بھی جمع کے بارے میں چند روشن فصول تحریر کر دی تھیں۔ اب میں نے حسب ضرورت اتنی مقدار لکھ دی ہے۔

صوفیائے کرام کے مذہب سیاریاں کا یہی طریقہ تھا۔ جو میں نے بیان کر دیا تھا جو کہ صوفیائے کرام کے مقبول اور محقق گروہ میں سے ایک ہے۔ اب میں بے دینوں کی اُس جماعت یا اس فرقہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو صوفیائے کرام کے ساتھ اپنی وابستگی کا دعویٰ کرتا ہے اور اُن کی عبارات کو اپنے الحاد و بے دینی کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور اُن کی عزت میں اپنی ذات کو پوشیدہ کیے ہوئے ہے تاکہ اس جماعت کی خطائیں ظاہر ہو جائیں۔ اور مرید حضرات ان کے اقوال سے اجتناب کریں اور خود کو ایسے لوگوں سے محفوظ کریں۔ اور تمام معاملہ تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور اللہ ہی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ جس کا خدا ہے اُس کا سب کچھ ہے۔

فرقہ حلولیہ کی حقیقت کا انکشاف :۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کیا ہے
فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ۔ پس تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرقۂ حلولیہ پر لعنت کرے۔ ان دو مردود فرقوں سے جو اہلِ تصوّف کے ساتھ اپنی نسبت کے دعویٰ گو ہیں۔ لیکن وہ اپنی گمراہی میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ تو حضرت ابو حلمان دمشقی کے ساتھ اپنی ارادت کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان سے ایسی روایات منسوب کرتا ہے جو اُن روایات کے برعکس ہیں جن روایات کو بزرگانِ دین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ صوفیائے کرام نے تو اُس بزرگ کو اربابِ ولایت میں شمار کیا ہے۔ لیکن یہ بے دین لوگ حلول، امتزاج اور نسخِ اَرواح کے عقائد اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور میں نے بھی ایک مقدس کتاب میں دیکھا کہ اس میں طعن کی ہے اور عالمانِ اصول کو بھی اس کا خیال ہے۔ درحقیقت حال کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ایک گروہ خود کو فارس سے منسوب کرتا ہے اور اس گروہ کا دعویٰ ہے کہ یہ گروہ مذہب حسین بن منصور کا ہے اس گروہ کے علاوہ اور حسین بن منصور کے گروہ والے یہ مذہب نہیں رکھتے۔ اور میں نے ابو جعفر صیدلانی کو عراق میں دیکھا کہ وہ اپنے چار ہزار مرید حلاتی رفقاء کے ساتھ پریشان حال موجود تھا۔ اور وہ سب اِن مقولوں کے سبب سے فارس پر لعنت کر رہے تھے۔ اور اس کی اپنی تحریر کردہ کتب میں جو کچھ ہے وہ تحقیق پر مبنی ہے۔

حضرت علی بن عثمان کا فرمان :۔

اور میں علی بن عثمان ہجویری کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں جانتا کہ فارس اور

ابو حلمان کون تھے اور کیا کہتے تھے؟ لیکن جو شخص ایسا کلام کرے جو توحید و تحقیق کے
خلاف ہو اُسے دین سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لیے کہ جب دین کی بنیاد ہی مضبوط نہ ہو
تو تصوف جو فرع اور نتیجہ ہے بدرجۂ اُولیٰ خلل پذیر ہوگا۔ اس لیے کہ کرامات اور
کشفِ اہلِ دین کے نشان کے علاوہ صورت پذیر نہیں اور اس امر کے قائلوں
کو حقیقتِ رُوح میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ اب میں ان سب کو بیان کرتا ہوں
اور قانون سنت کے مطابق اس کے احکام بیان کرتا ہوں۔ اور اسی بیان میں
ملحدین کے مقالات اور شبہات بھی بیان کروں گا تاکہ تمھیں اللہ تبارک و تعالیٰ
توفیق دے۔ اس سے قوت حاصل ہو کیونکہ اس میں بکثرت فساد ہی فساد ہے۔
اس کا حقیقی عالم اللہ ہی ہے جس کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ جس کا اللہ ہے اُس
کا سب کچھ ہے۔

رُوح کی حقیقت کا انکشاف:

جاننا چاہیئے کہ رُوح کے وجود کے متعلق جاننا
نہایت ضروری ہے حالانکہ عقل اس کی اصل حقیقت معلوم کرنے سے عاجز ہے
اور اُمت کے عالموں اور حکیموں نے اگرچہ اپنے قیاس کے مطابق اس کے
متعلق کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ اور کافروں کے طبقات نے بھی اس میں کلام کیا ہے
اور جب یہود کے سکھانے پر کفار قریش نے نضر بن حارث کو حضور نبی پاک صاحب
لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمتِ پاک میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے
رُوح کے حال اور ماہیئت کے بارے میں سوال کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ
نے اپنے حبیبِ لبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اس کے وجود کو ثابت کرنے
کو فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۔ اور وہ آپ سے رُوح کے بارے

سوال کرتے ہیں۔

تو اُس وقت رُوح کی قدامت کی نفی فرمانے کے بارے میں حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فرما دیجئے رُوح میرے رب کا امر ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْہَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْہَا اخْتَلَفَ۔

رُوح ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو آپس میں پہچانتی ہیں۔ ان میں الفت پیدا ہو گئی اور جن کی آپس میں وہ پہچان نہ ہو سکی وہ مختلف رہے۔

اور اسی طرح کے بکثرت دلائل رُوح کے وجود پر موجود ہیں۔ لیکن ان کی کیفیت وحقیقت کا کہیں ذکر نہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے:۔

اَلرُّوْحُ ھُوَ الْحَیٰوۃُ الَّتِیْ یُحْیٰ بِہِ الْجَسَدُ۔

رُوح وہ حیاتی ہے کہ جس کے سبب جسم زندہ رہتا ہے۔

متکلمین کا ایک گروہ بھی اسی کا قائل ہے۔ اس حصر کے اعتبار سے رُوح ایک ایسا عرض ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے جاندار زندہ رہتا ہے اور اس جاندار میں تالیف، حرکت اور مختلف اجزاء کا باہم اجتماع اسی روح کے سبب سے ہے۔ اسی طرح وہ اعراض بھی اسی سبب سے ہیں جن کے ساتھ وہ جسم ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب لوٹتا ہے۔

دوسرے گروہ کا قول ہے کہ:۔

ھُوَ غَیْرُ الْحَیٰوۃِ وَلَا یُوْجَدُ الْحَیٰوۃُ

رُوح ایک جوہر ہے بغیر زندگی کے

إِلَّا مَعَهَا كَمَا لَا يُوجَدُ الرُّوْحُ إِلَّا مَعَ الْجَسَدِ وَ أَنْ لَا يُوجَدُ أَحَدُهُمَا دُونَ الْآخَرِ كَالَّا لَمْ وَ الْعِلْمِ بِهَا لِأَنَّهُمَا شَيْئَانِ لَا يَفْتَرِقَانِ۔

جس کے سوا زندگی کا وجود جائز نہیں ہوتا جیسے رُوح بغیر جسم معتدل نہیں ہوتا۔ اور ایک دوسرے کے بغیر نہیں پایا جاسکتا جس طرح کہ درد اور اس کا علم ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں مختلف ہیں لیکن ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتیں۔

اس معنی کی رُو سے بھی رُوح ایک عرض ہو گی جس طرح کہ زندگی ایک عرض ہے پھر جمہور مشائخ اور اہلسنت وجماعت کا فرمان عالی شان ہے:

"روح علیٰ جوہر ہے۔ صفت نہیں کہ جب تک وہ بدن کے ساتھ پیوست رہے تب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عادت کے مطابق اس میں زندگی کر دیتے ہیں۔ اور انسان کی زندگی بھی ایک صفت ہے اور انسان اس سے زندہ ہے لیکن رُوح انسان کے جسم میں ایک امانت ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ وہ انسان سے جُدا ہو جائے اور انسان زندگی کے سبب زندہ رہے جیسا کہ بحالت نیند رُوح تو پرواز کر جاتی ہے لیکن زندگی باقی رہتی ہے۔ تاہم یہ نہیں ہوسکتا کہ رُوح کی پرواز کے بعد علم وعقل سلامت رہے۔ اس لیے کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اَرواحِ شہداء طیورِ جنّت میں رہتی ہیں۔ اس سبب سے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ عین جوہر ہُوا۔ اور ارشادِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اَرواح جمع شدہ لشکر ہیں اور یہ عرض پر باقی نہیں رہ سکتے۔ اور عرض خود بخود قائم نہیں ہوتا تو رُوح ایک لطیف جسم ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے آتا ہے اور اسی حکم سے جاتا ہے۔"

ارواحِ انبیا کا اظہار:۔ حضور سید العالمین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین انیس الغریبین علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ والتسلیم کا فرمان عالی شان ہے کہ ہم نے ایک ہی شب میں شبِ معراج حضرت آدم صفی اللہ علیٰ نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت یوسف صدیق اللہ علیہ السلام، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو افلاک پر دیکھا تو لامحالہ اُنھیں اصحاب کی اَرواح تھیں۔ اگر رُوح عرضی ہوتی تو بجود قائم ہوتی۔ یہاں تک کہ بحالت وجود آپ انھیں نہ دیکھ سکتے۔ کیونکہ اگر عرض ہوتی تو اُس کے وجود کے لیے ایک محل ہونا چاہیئے تھا جس محل کے ساتھ وہ عارض ہوتی اور اُس کا محل جوہر ہوتا کیونکہ جواہر مرکب و ثقیف ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہُوا کہ اگر رُوح لطیف جوہر اور جسیم ہے اور اُس کا دیکھنا بھی رَوا ہونا چاہیئے۔ لیکن دل کی آنکھ سے دیکھ لی جاتی ہے اور بستہ پردوں میں وہ بہشت میں ہوتی ہے۔ اور اسے اپنی قبر اور قنادیل عرش میں آنے جانے کا راستہ ہے۔ جیسا کہ احادیث اس پر ناطق ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کا امر ہے۔

گویا اس کا جسم میں آنا اور نکلنا سب کچھ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ یہاں ملحدین کا اختلاف ہے اس لیے کہ ملحدین رُوح کو قدیم جانتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اسے فاعل اشیاء اور مدبّر بھی کہتے ہیں۔ اور ان کا قول ہے کہ رُوح ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ اس شبہے کے علاوہ مخلوق کو پیش آنے والے شبہات میں سے کسی شبہے پر اس قدر اتفاق نہیں ہے۔ اس عقیدہ پر نصاریٰ بھی ہیں۔ اور تبّت اور چین۔ چین کے تمام ہندوؤں کا یہی عقیدہ ہے۔ اور ادھر سے شیعہ اور قرامطہ اور فرقہ باطنیہ بھی اس عقیدہ پر ہیں۔ ہمارے بیان کردہ گروہوں

میں سے ہر گروہ اسی قول کو مقدم جانتا ہے اور دلائل کے ساتھ اس کا دعویٰ گو ہے۔
ہم ان تمام فرقوں سے دریافت کرتے ہیں کہ تمھاری اس لفظِ قدیم سے کیا مراد ہے؟
کیا ایسا حادث مراد ہے جو صرف اپنے وجود میں قدیم ہو یا ایسا قدیم جو ہمیشہ سے اور ہر اعتبار سے قدیم ہو۔ اگر وہ کہیں کہ ہماری مراد اس سے ایسا حادث ہے جو صرف اپنے وجود میں قدیم ہو تو اس صورت میں تو ہمارے درمیان سے اختلاف ختم ہو جائے گا کیونکہ ہم بھی رُوح کو ایسا حادث کہتے ہیں جو اپنے جسم کے اعتبار سے جسم کے وجود سے قدیم ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِمِائَتَیْ اَلْفَ عَامٍ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اَرواح کو اجسام سے کئی ہزار سال پہلے پیدا فرمایا دیا تھا۔

اور جب اس کا حادث ہونا ثابت اور درست ہو گیا تو جب لامحالہ ہر حادث کسی پیدا کرنے والے کے پیدا کرنے کا محتاج ہوتا ہے تو یہ رُوح بھی اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک جنس ہو گی جو دوسری جنس کے ساتھ ملحق ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہونے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی تقدیر سے زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا صرف یہ حکم رہ جاتا ہے کہ وہ زندگی روح جسدِ انسانی میں ملحق ہو تاکہ اس میں زندگی حاصل ہو اور وہ جو کہ ایک شخص سے کسی شخص میں اس اصول کو جائز نہیں رکھتے جیسے کہ ایک شخص کے لیے دو زندگیاں جائز نہیں ہوتیں۔ اور ایک رُوح دو آدمیوں میں جائز نہیں ہوتی۔ اگر اس بات پر احادیث ناطق نہ ہوتیں اور مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سچی خبروں میں ہمیں اس کی اطلاع نہ بھی دیتے تو محض عقل کی

رو سے بھی رُوح کا مفہوم بجز حیاتی کے اور کچھ نہ ہوتا اور یہ صفت بھی ہوتی نہ کہ جوہر جو بذاتہٖ قائم ہوتا ہے۔ اور اگر وہ کہیں کہ اس قول سے ہماری مراد ایسا ازلی قدیم ہے جوہر اعتبار سے قدیم ہو۔ تو ہم اُن سے پوچھیں گے کہ اچھا یہ قدیم بذاتہٖ قائم ہے یا اپنے قیام میں کسی کا محتاج ہے۔ اگر وہ کہیں کہ رُوح ایسا قدیم ہے جو قائم بذاتہٖ ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ پھر کیا وہی اللہ العالمین ہے یا کوئی دوسرا۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ العالمین تو وہ نہیں ہے تو اس صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ ایک دوسرے قدیم کا ثبوت لازم آئے گا جو عقل کے مطابق نہیں ہے کیونکہ قدیم محدود نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو ایک ذات کا وجود دوسرے کے لیے ضد بن رہا ہے۔ اور یہ امر محال ہے۔ اور اگر کہیں کہ اللہ العالمین تو ہے تو میں کہتا ہوں کہ وہ قدیم ہے اور حادث کو قدیم سے ملانا یا ایک کر دینا یا ایک ہو جانا یا حلول کرنا حادث کا مکان قدیم میں ہونا یا قدیم کا اُسے حاصل ہونا محال ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز کسی سے ملتی ہے وہ اس کی مثل ہوتی ہے اور وصل یا فصل کے بجز حادث جائز نہیں ہوتا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس چیز سے بہت ہی زیادہ ہے۔ اور اگر وہ کہیں کہ وہ قدیم تو ہے لیکن بذاتہٖ قائم نہیں ہے بلکہ اس کا قیام غیر کے ساتھ ہے۔ تو یہ دعویٰ بھی دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ صفت ہو گی یا عرض۔ اگر اسے عرض کہا جائے تو لامحالہ یا اسے کسی محل میں ماننا پڑے گا یا محل میں۔ اگر وہ محل میں کہیں تو وہ محل بھی تو اس کی طرح اپنے قیام میں کسی دوسرے کا محتاج ہو گا۔ اس صورت میں ان دونوں میں سے کسی پر بھی قدیم کا اطلاق کرنا باطل ہو گا۔ اور اگر وہ کہیں کہ وہ عرض لامحل میں ہے تو اس کا قیام کسی طرح بھی معقول نہ ہو گا۔ اور اگر وہ کہیں کہ رُوح ایک قدیم صفت ہے جیسا کہ حلولی اور تناسخی کا قول ہے۔ اور اس صفت کو صفتِ الٰہیہ بتاتے ہیں تو یہی محل ہے کہ صفتِ الٰہیہ قدیم مخلوق کی صفت

ہو جائے گی۔ اور اگر یہ درست مان لیا جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حیات مخلوق کی صفت بن جاتی ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی قدرت مخلوق کی قدرت بن جائے۔ اور جبکہ صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے تو یہ کیسے رَوا ہوگا کہ صفت قدیم کا موصوف حادث ہو۔ اس لیے لامحالہ قدیم کو حادث کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ اور ملحدین کا اس کے متعلق قول باطل ہے۔ اور رُوح اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان سے ایک مخلوق ہے۔ اور جو کوئی اس کے بجز کسی اور عقیدے کا قائل ہو اس کا مکابرہ روشن ہے اور وہ حادث کو قدیم سے ممتاز ہی نہیں کر سکتا۔ اور یہ ہرگز رَوا نہیں کہ کوئی ولی اپنی ولایت کے صحیح ہوتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اوصاف سے جاہل ہے۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں خطرہ سے محفوظ رکھا ہے اور عقل دی ہے جس سے ہم دلیل دے سکتے ہیں اور ایمان دیا ہے کہ اس کی روشنی میں اُسے پہچانتے ہیں اور وہ حمد جس کا انجام و حد نہ ہو اکرتے ہیں۔ وہ ایسی حمد و ثنا کے لائق ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ کیونکہ ہمارا تعریف کرنا متناہی ہے لیکن اس کے انعام و اکرام لامتناہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ متناہی حمد اُس کے لامتناہی انعامات کے مقابلے میں مقبول نہیں ہوتی۔ جب ظاہر داروں نے یہ بات اہلِ اصول کی سُنی تو اُنھوں نے خیال کیا کہ تمام صوفیائے کرام کا یہی عقیدہ ہے تو وہ خسارے میں پڑ کر محجوب ہو گئے۔ اور ولایتِ حق کی لطافت اور تجلیاتِ ربانی کی روشنی اُن پر پوشیدہ ہو گئی۔ کیونکہ اس راہِ طریقت کے بزرگوں اور سرداروں کے لیے لوگوں کا انھیں رد کر دینا یا قبول کر لینا دونوں طرح مساوی ہیں کہ انھیں اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی سے ہر قسم کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

فصل :۔ جسم کا رُوح سے تعلّق کا مسئلہ :۔

ایک بزرگ جو بزرگانِ دین میں سے تھا، کا فرمان عالی شان ہے :۔

اَلرُّوحُ فِی الْجَسَدِ کَالنَّارِ فِی الْفَحْمِ فَالنَّارُ مَخْلُوقَةٌ وَالْفَحْمُ مَصْنُوعَةٌ۔

جان جسم میں مثل اس آگ کے ہے جو کوئلوں میں ہے تو آگ مخلوق ہے اور کوئلہ مصنوع ہے۔

اور عقیدہ اقامت بجز ذات وصفات باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے جائز نہیں۔ اور حضرت ابوبکر واسطی علیہ الرحمۃ نے رُوح میں بہت کچھ فرمایا ہے اور اُن سے جو روایات آئی ہیں وہ یہ ہیں کہ :۔

اَلْاَرْوَاحُ عَلٰی عَشَرَةِ مَقَامَاتٍ — اَرواح کے دس مقامات ہیں۔

پہلا مقام :۔ مفسدوں اور خطا کاروں کی اَرواح جو تاریکی میں قید کی گئیں ہیں اور انھیں کچھ علم نہیں کہ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔

دوسرا مقام :۔ رُوح پارسا وزاہد جو آسمانوں میں اپنے اپنے عمل کے بدلے میں خوش وخرم رہ رہے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں مسرور ہے اور وہ اسی وقت سے جارہے ہیں۔

تیسرا مقام :۔ مریدانِ حق کی اَرواح جو آسمانِ چہارم میں ہیں اور اپنے صدقِ معاملہ اور اچھے اعمال کے سائے میں ملائکہ کے ساتھ رہتی ہیں۔

چوتھا مقام :۔ دوسروں پر احسان کرنے والوں کی اَرواح جو نُور کی قندیلوں میں عرش عظیم کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں۔ اُن کی غذا رحمتِ خداوندی اور ان کا شربت لطف وقربِ خداوندی ہے۔

پانچواں مقام :۔ اہل وفا کی اَرواح جو صفا کے پردوں میں اور برگزیدگی

کے مقام پر خوش ہیں۔

چھٹا مقام:۔ شہداء کی ارواح جو جنت میں بہشتی پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں اور بہشت کے باغات میں جہاں اور جس وقت چاہیں چلی جاتی ہیں۔

ساتواں مقام:۔ عاشقانِ الٰہی کی ارواح جو صفاتِ باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم کے نوری پردوں میں ہیں اور ادب کے بچھونے پر قیام پذیر ہیں۔

آٹھواں مقام:۔ عارفینِ الٰہی کی ارواح جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں رہتی ہیں اور صبح و شام کلام الٰہی سنتی اور دنیا و بہشت میں اپنے مکانات کو دیکھتی رہتی ہیں۔

نواں مقام:۔ اولیائے کرام کی ارواح جو جمالِ خداوندی کے مشاہدہ اور مقامِ کشف میں ڈوبی ہیں۔ اُس کے بجز کسی کو نہیں جانتی اور نہ ہی اُس کے علاوہ کسی چیز میں انھیں آرام نظر آتا ہے۔

دسواں مقام:۔ درویشوں کی ارواح جو محل فنا میں قربِ خداوندی سے مشرف ہیں۔ اُن کے اوصاف و احوال تبدیل کیے جا چکے ہیں اور وہ قربِ خداوندی سے لطف اندوز ہو رہی ہیں۔

بعض مشائخ کا فرمان عالی شان ہے کہ انھیں ہم نے دیکھا کہ ہر ایک اپنی الگ صورت میں ہے اور یہ روا نہیں جو ہم نے کہا کہ ان کا وجود ہے اور جسم لطیف ہے یہ حقیقت بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ البتہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ دکھانا چاہے تو بندہ دیکھ سکتا ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ

حضرت علی ہجویری کا فرمان:۔ ہماری زندگی کا خلاصہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور ہماری فنا و بقا اور زندگی اور موت اسی کی قوت سے

قائم ہے۔ ہمیں زندہ رکھنا اُسی کا ایک فعل ہے۔ اور ہماری زندگی اس کی تخلیق کے ماتحت ہے نہ کہ اس کی ذات وصفات کی بقا کے ساتھ اور طبقۂ رومیاں کا وہ قول باطل ہے اور سخت گمراہی۔ جو کہتا ہے کہ رُوح قدیم ہے۔ اگرچہ اُنھوں نے عبارت بہت کچھ تبدیل کی ہیں۔ تاہم ایک گروہ اسے نفس اور ہیولیٰ کا نام دیتا ہے اور دوسرا گروہ نور اور ظلمت گردانتا ہے۔ اور راہِ تصوّف کے کذاب اس فنا وبقا یا جمع وتفرقہ یا اسی طرح کی اور ملمع کی ہوئی عبارات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اپنے اس کفر کی تحسین کرتے ہیں۔ حالانکہ صوفیائے کرام اس گروہ سے بیزار ہیں کیونکہ ولایت کا اثبات اور اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی حقیقت معرفتِ الٰہی کے بغیر درست نہیں ہو سکتی۔ اور جب کوئی شخص قدیم وحادث کے مابین فرق ہی نہ کر سکتا ہو تو وہ جو کچھ بھی کہے گا اپنے قول میں جاہل ہی ہو گا اور اہل عقل لوگ جاہلین کی باتوں پر متوجہ نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اس گروہ باطل کا مقصد جو کچھ تھا بیان ہو چکا۔ اب اس سے زیادہ وضاحت مطلوب ہو تو ہماری دیگر کتب کا مطالعہ کیجئے۔

اب میں کشفِ حجاب اور معاملات کے حالات اور صوفیائے کرام کے حقائق دلائل کے ساتھ ثابت کرتا ہوں۔ تاکہ تم بآسانی سمجھ سکو۔ اور منکرین میں سے جسے بصارت حاصل ہو وہ صراط مستقیم پر آجائے اور میں اس کے اجر سے نوازا جاؤں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

شرائط معرفتِ خداوندی: کشفِ حجابِ اوّل: معرفتِ خداوندی کے جو شرائط ہیں اور اس کے جو مفاد ہیں ان کی تفصیلی وضاحت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ اجل مجدہ الکریم ہے:۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ — اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی جیسا کہ اُس کا حق تھا۔

حضور سید العالمین شفیع المذنبین علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ والتسلیم کا ارشاد ہے:۔

لَوْ عَرَفْتُمُ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ لَمَشَيْتُمْ عَلَى الْبُحُوْرِ وَلَزَالَتْ بِدُعَائِكُمُ الْجِبَالُ۔

اگر تم اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس طرح پہچانتے جس طرح اُسے پہچاننے کا حق تھا تو تم سمندروں کی سطح پر پیدل چلتے اور تمھارے بلانے پر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے۔

اقسامِ معرفتِ الٰہیہ

اقسامِ معرفتِ الٰہیہ:۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت دو نوں میں منقسم ہے:۔

پہلی قسم:۔ معرفتِ الٰہیہ کی پہلی قسم علمی ہے۔

دوسری قسم:۔ معرفتِ الٰہیہ کی دوسری قسم حالی ہے۔

معرفتِ علمی دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کی اصل ہے۔ اور بندہ کے لیے تمام اوقات و احوال میں اپنے رب سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہی تمام اشیاء سے اہم اور ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ یعنی اپنی پہچان کے لیے پیدا کیا ہے۔

حالانکہ مخلوق کی اکثریت اس سے باغی ہے بجز اس کے کہ اس قدر سمجھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان اور جن مخلوق کو اپنے لیے برگزیدہ کر رکھا ہے اور دنیا کے اندھیرے سے آزاد رکھا ہے اور اس کے دل کو زندہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ تبارک و تعالیٰ تمھیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حال کے بارے میں خبردار کرتا ہے:۔

وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ ہم نے اس کے لیے ایک روشنی پیدا کر دی ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔

اور ابوجہل لعین کے بارے میں خبردار کیا ہے کہ:۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔ اُس کی حالت اُس شخص کی طرح ہے جو ظلمات میں گرا ہُوا ہے کہ ان سے نکل نہیں سکتا۔

پس معرفتِ خداوندی دل کی حیاتی ہے اور اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ سے اعراض اس کی موت۔ اور ہر شخص کی قدر و قیمت معرفت الٰہیّہ کی وجہ سے ہی ہے کیونکہ جسے یہ معرفت حاصل نہیں اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ تو آدمیوں میں سے علماء و فقہاء وغیرہ جو علم کی صحت کو اپنے پروردگار کی معرفت پر سمجھتے ہیں وہ عارف باللہ ہیں۔ اور ایسے ہی مشائخ اس طائفہ کی اپنی صحتِ حال کو عرفانِ حق پر موقوف رکھتے ہیں۔ اور اسی وجہ میں عرفانِ حق کو محض علم پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صحبتِ حال، صحبتِ علم کے بغیر نہیں ہو سکتا جبکہ صحبتِ علم کو صحبتِ حال کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا کوئی عارف نہیں ہوتا جو اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کا صحیح علم نہ رکھتا ہو۔ لیکن ایسا عالم ہو سکتا ہے جو ابھی عارفِ سُبحانی نہ ہُوا ہو۔ اور وہ لوگ جو اس معنیٰ سے بے خبر ہیں اُن سے وہ اس مقام پر بے سود مناظرہ کرتے پھرتے ہیں۔ اور جانبین میں ایک دوسرے کو اس مسئلہ سے انکار کرتا پاؤں گے۔ میں اب اس مسئلہ کا بھید کھول کر بیان کرتا ہوں تاکہ اگر اللہ کو منظور ہو تو دونوں طبقات کو فائدہ حاصل ہو۔

فصل:۔ معرفتِ الٰہی اور صحت علم پر مختلف راز:۔

اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ تمھیں دونوں

جہان کی سعادت سے سرفراز فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ لوگوں کا اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے علمِ حقیقی میں بہت اختلاف ہے۔ معتزلہ کا قول ہے کہ اللہ جل مجدہ الکریم کی معرفت عقلی ہے اور اہلِ عقل کے بجز کسی کو اُس کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ قول باطل ہے اس لیے کہ وہ دیوانے جو اوّل دارالسلام میں تھے۔ ان پر حکم معرفت کا لگایا جاتا ہے۔ دوسرے وہ بچے جو عقل مند نہیں ہوتے اُن پر حکمِ ایمان لگایا جاتا ہے۔ تو اگر معرفتِ حق عقل پر ہوتی تو انھیں عقل نہ ہوتی تو ان پر ایمان و عرفان کا حکم لگانا درست نہیں ہوگا اور کفار پر کہ ان میں عقل ہے کفر کا حکم نہیں چاہیئے۔ اور اگر عقل معرفتِ حق کی علّت ہے تو لازم ہے کہ جس میں عقل ہو وہ عارف ہو اور جتنے بے عقل ہوں تمام کو جاہل کہا جائے حالانکہ یہ کھلا مکابرہ ہے۔ اور دوسرے گروہ کا قول ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی معرفت کی علّت استدلال ہے اور جس شخص کے رُدبرد اللہ تبارک و تعالیٰ کے دلائل نہ ہوں تو اُسے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ دعویٰ بھی باطل ہے اس لیے کہ شیطان وہ ہے جس نے بکثرت دلائل دیکھے مثل جنّت، دوزخ، عرش و کرسی وغیرہ۔ تو یہ دیکھنا اس کے لیے دلیل ہے اور دلیل علّتِ معرفت ہے۔ تو اسے عارف ماننا پڑے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔

اور اگر ہم ان کفار پر ملائکہ کو نازل کرتے اور مردے ان کے ساتھ باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تھے پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے۔

اگر دلائل کی رویت اور ان کا استدلال معرفت کی علّت ہوتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ

اسی کو معرفت کی علت قرار دیتے نہ کہ اپنی مشیت کو۔ اور اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک عقل کا درست ہونا اور کسی دلیل کا دیکھنا معرفت کے لیے سبب ہوتا ہے علت نہیں۔ جاننا چاہیئے کہ معرفت کی علت مشیتِ ایزدی اور عنایت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ اس کی عنایت کے بغیر عقل تو نابینا ہوتی ہے اس لیے کہ عقل تو خود اپنے بارے میں بھی جاہل ہے تو اپنے علاوہ کسی چیز کو کیسے پہچان سکتی ہے۔ اہلِ ہوا اور جماعت ملحدین اکثر دلائل رکھتے ہیں مگر بہت سے عارف نہیں ہوتے اور وہ جو عنایت حق کے اہل ہوں گے۔ ان کی تمام حرکاتِ معرفت ہوتی ہیں اور ان کا استدلال طلب و ترکِ استدلال میں مسلم ہوتا ہے۔ اور وہ صحتِ معرفت میں تسلیم کو طلب سے اولیٰ تر نہیں جانتے۔ اس لیے کہ طلب وہ چیز ہے کہ اس کے ترک کی کوئی راہ نہیں۔ اور تسلیم وہ ہے کہ اس کی بنیاد میں اضطراب کو کوئی راہ نہیں۔ اور وجود کے لیے عقل و دلائل کو موجب ہدایت نہیں کہہ سکتے اور کوئی دلیل اس سے واضح تر نہیں جو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ۔ اور اگر کفار قیامت سے دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو پھر بھی وہی کام کریں جن سے انھیں روکا گیا تھا۔

اسی طرح جب امیر المومنین علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے معرفت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَعَرَفْتُ مَادُوْنَ اللّٰهِ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی عنایت سے پہچانا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا۔

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجسام کو پیدا فرمایا اور زندگی کو روح عطا کی۔

اور دل کو پیدا فرمایا اور زندگی کا تمام اختیار اپنے قبضہ میں رکھا تو جب عقل و آلات و آیاتِ قدرت کو زندگی بغیر تن میں نہیں رکھا تو محال ہے کہ دل کو زندہ کرے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ جو مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا۔

یہاں قدرتِ حیات اپنی طرف رکھی۔ پھر ارشاد فرمایا:۔

وَجَعَلْنَا نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ اور ہم نے اُس کے لیے ایک نور پیدا کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا تھا۔

نور کی تخلیق جو اہلِ ایمان کے دل میں روشنی ہے وہ بھی اپنی ذات سے متعلق کیا۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وہ شخص جس کا سینہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے۔ پس اپنے رب سے روشنی پر ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں بھی شرح صدر کا فعل اپنی طرف منسوب کیا اور اس کا باندھنا بھی اپنی طرف منسوب فرمایا۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ اور مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پہ پردہ ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ اور اُس کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔

پس جب دل کا قبض کرنا، کشادہ کرنا، کھولنا اور مہر لگانا سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو یہ محال ہے کہ اُس کے بغیر کسی کو رہنما گردانا جائے۔ کیونکہ بجز اُس کے جو کچھ بھی ہے وہ سب علّت اور سبب کے درجے میں ہے جب کہ کوئی علّت اور سبب مسبب کی عنایت کے بغیر راہ نہیں دکھا سکتا کیونکہ حجاب ڈالا گیا ہوتا ہے راہنما نہیں ہوتا۔

ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا۔

اس آیۂ مبارکہ میں ایمان کو محبوب بنانے اور اُس کو دلوں میں مزین کرنے کی نسبت بھی اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ اور تقویٰ کا لازم کرنا جو عین معرفت خداوندی ہے وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جس پر تقویٰ لازم ہوا ہو اُس کو خود پر لازم کرنے یا اُسے دُور کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ پس توفیق ایزدی کے سوا مخلوق اُس کی پہچان سے عاجز ہی رہے گی۔

حضرت ابو الحسن نوری کا قول:۔ حضور ابو الحسن نُوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کی پہچان پر اُس کے فضل کے بجز کوئی دلیل نہیں ہے ہم علم تو اس لیے حاصل کرتے ہیں تاکہ اُس کی عبادت کے آداب کا پتہ چل جائے اور مخلوقات میں سے کسی کو اس چیز کی قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچا دے ورنہ استدلال میں ابوطالب سے زیادہ کوئی عقلمند نہ تھا اور حقانیت کی دلیل حضور نبی کریم علیہ افضل

الصلوٰۃ والتسلیم سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں ہے لیکن ابو طالب کی یہ حکمت سود مند ثابت نہ ہو سکی۔ اور جاننا چاہیئے کہ استدلال کا درجہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے اعراض کرنے کا ہے اس لیے کہ استدلال نام ہی غیر میں سوچ بچار کرنے کا ہے۔ جبکہ معرفت کی حقیقت غیر اللہ سے اعراض کرنا ہے۔ حسبِ عادت تمام مطلوبات کا وجود استدلال سے ہوتا ہے لیکن معرفتِ خداوندی عادت کے برعکس ہے۔ تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ معرفت عقل کی جبر دست دوامی کے سوا نہیں اور اس کا حاصل ہونا بندہ کے کسب سے نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ مخلوق کے کسب کا اس میں راستہ نہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے بغیر بندہ کا کوئی راہنما نہیں ہے وہ دلوں کی کشائش اور غیبی خزانوں سے ہے۔ اس لیے کہ جو اس ذات کے بجز ہے سب حادث ہے۔ اور یہ روا ہے کہ حادث کو حادث پہنچے اور یہ کسی طرح بھی جائز نہیں کہ کوئی حادث اپنے خالق تک خود بخود پہنچ جائے ورنہ وہ خالق اس حادث کے کسب کا نتیجہ ہو جائے گا۔ اور جو کوئی کسی کے کسب کے تحت آ جائے سب کا کسب اُس پر غالب اور اُس کا کسب کیا ہوا مغلوب ہوتا ہے۔

کرامت کیا ہے؟

یاد رہے کہ کرامت وہ نہیں کہلاتی جو عقل کی دلیل سے فاعل کو ثابت کرے بلکہ کرامت وہ ہوتی ہے کہ ولی الٰہی نورِ حق تعالیٰ شانہٗ سے اپنی ہستی کی نفی کرے تو معرفت قولی ہو جائے اور دوسری معرفتِ حال یعنی معرفتِ حقیقی حاصل ہو جائے گی اور جو گروہ عقل کو معرفت کی علت گردانتا ہے اُس سے پوچھنا چاہیئے کہ عقل دل میں معرفتِ حقیقی میں سے کس چیز کو ثابت کرتی ہے کیونکہ عقل جس چیز کو ثابت کرتی ہے معرفتِ خداوندی تو اُس کی نفی کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی عقل کی دلالت سے جو کچھ دل میں صورت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ یہ ہے حقیقت میں اُس کی ذات بابرکات کے خلاف ہے۔ اور اگر اس کے خلاف دل میں کوئی اور صورت پیدا ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس صورت کے بھی خلاف ہے

پس اس مقام پر عقل کو کیا دخل ہے کہ وہ استدلال کے ذریعہ معرفت حاصل کر سکے۔ اس لیے کہ عقل و وہم دونوں جنس میں ایک ہی ہیں۔ اور جہاں جنس ثابت ہو جائے وہاں معرفت منصبی ہو جاتی ہے۔ پس عقل سے استدلال کے ذریعہ اثبات تشبیہ ہوگی اور اس کی نفی تعطیل ہوگی۔ اور اس کی گنجائش ان دو اصل سے باہر نہیں اور یہ دونوں معرفت میں زبوں ہیں۔ اس لیے کہ مشبہ اور معطلہ ایک نہیں ہوتے تو عقل جب اپنے مقدور کے موافق چلتی ہے اور اس سے جو ظہور پذیر ہوتا ہے وہ سب عقل ہی کا ہوتا ہے۔ تو دوستانِ حق کے دلوں کو طلبِ عنایت کے بجز کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ وہ عاجزی کی چوکھٹ پر بلا سبب آرام پذیر ہو گئے بلکہ اپنے آرام میں بھی بے آرام ہو گئے۔ اور اپنے دلوں کے لیے مرہم تلاش کر لیا اور اپنی راہ کو طلب عنایت کی اقسام اور اپنی قدرت کے درمیان چھپالیا تو قدرتِ خداوندی اس جگہ ان کی اپنی قدرت بن گئی یعنی اُنہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کے ذریعہ معرفتِ خداوندی کی راہ کو پالیا اور اسی طرح وہ غیبت کی تکلیف سے آسودہ ہو گئے اور محبت کے باغیچہ میں جگہ پاکر اُس میں آرام پذیر ہو گئے۔ اور رُوح سرور میں قرار پاگئے۔ جب عقل قلوب کو مراد تک پہنچا دیکھتی ہے تو اپنے تصرف سے حاصل کیے ہوئے مقام سے روکتی ہے۔ جب اس کا تصرف نہیں چلتا تو بعالمِ تحیر معزول ہو جاتی ہے۔ جب معزول ہو جاتی ہے تو اُس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ اُسے خدمت کا لباس پہنا دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جب تک تو اپنی خودی میں تھا تو اپنے آلات و تصرف سے محجوب تھا۔ تو باقی صرف تو رہ گیا۔ جہاں پہنچا تو دل کو منصب قرب مل جاتا ہے اور عقل کو خدمت اور اُس کی معرفت کو عرفان تام۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندے کو اپنی تعریف اور معرفت سے آشنا کیا تا کہ اُسے اُسی کے ذریعہ پہچانیں۔ ایسی پہچان نہیں جو کسی سبب اور آلے کے ذریعہ سے ہو بلکہ ایسی پہچان

جس میں خود بندے کا وجود عارضی ہوتا کہ عارف کو انانیت اور غرور ہر اعتبار سے ایک خیانت نظر آئے حتیٰ کہ اُس کا ذکر اس طرح ہو کہ اس میں نسیان نہ ہو اور معاملہ ایسا ہو کہ اس میں کوتاہی نہ ہو۔ اور اس کی معرفت حالی ہو جائے نہ کہ قالی۔ ایک گروہ کا یہ بھی قول ہے کہ ایسے درجہ پر اس کی معرفت کو براہانِ باطل وحق ہوتے ہیں اور اہلِ الہام خطرے میں رہتے ہیں۔ ان کا وہ الہام براہان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مکان میں ہے اور ایک کہے کہ میرا الہام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان نہیں۔ تو لامحالہ ان دو متضاد دعوؤں میں حق تو ایک ہی طرف ہوگا۔ حالانکہ یہ دونوں اپنے اپنے الہام کی بنیاد پر دعویٰ گو ہیں۔ چنانچہ ان دونوں دعویٰ کرنے والوں کے درمیان جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک دلیل کی ضرورت ہوگی۔ اس صورت میں فیصلہ تو دلیل پر ہوگا اور الہام کا حکم باطل ہو جائے گا۔ برہمنوں اور الہامیوں کو میں نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک قوم بہت غلو کرتی ہے اور وہ اپنے زمانہ کا انھیں پارسا سمجھتی ہے اور تمام کے تمام حقیقت میں گمراہ ہیں اور ان کا کہنا اہل عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور اس کا قول اہلِ کفر اور اہلِ اسلام کے تمام اہلِ عقل کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اسلام کے دس دعوے دار ایک ہی معاملے میں دس باہم متضاد اقوال کے دعویٰ گو ہیں تو وہ سب باطل ہوتے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی حق پر نہیں ہوتا۔ اور اگر کہیں کہ کہنے والا اگر خلافِ شرع کہے تو الہام نہیں ہوگا۔

حضرت علی ہجویری کا فرمان:

میں کہتا ہوں کہ حقیقت میں وہی غلطی پر ہے جو قیامِ شریعت کو الہام پر موقوف کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ الہام کا ثبوت معرفتِ شریعت پر ہونا چاہیئے اور اس کا ثبوت صحیح ہونے پر الہام کہا جا سکتا ہے تو سمجھ لو کہ حکمِ الہام مقام معرفت

ہیں بہ ہمہ وجوہ باطل ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ معرفت خداوندی ضروری ہے اور یہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ جو چیز بندہ کے علم میں ضروری ہے وہ لازمی طور پر عقل کی شرکت سے ہو گی۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں اہل عقل کی ایک جماعت اس سے منکر ہے اور تشبیہ و تعطیل جائز رکھتی ہے پھر بھی کہنا درست ہو گا کہ عرفان از جانب خود ضروری نہیں اور اگر ضروری ہوتا تو اس پر تکلف نہ آتا اس لیے کہ کسی چیز کے جاننے، نہ جاننے میں تکلف محال ہے جیسا کہ اپنا جاننا زمین و آسمان دن رات کا آلام و لذات اور مثل اس کے جو اشیاء ہیں ان کے جاننے میں انسان کے عقل و وجود کو شک میں ایسے نہیں ڈال سکتی کہ اس کے دیکھنے کے لیے پریشان ہو۔ اور اگر چاہے کہ نہ پہچانے تو ہو سکتا ہے ارادی طور پر نہ جانے۔ تاہم صوفیہ کا ایک گروہ جو اپنے یقین کی صحت میں نگاہ ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم اسے ضرور سمجھتے ہیں کیونکہ ہم اپنے دل میں کوئی شک و شبہ نہیں پاتے اور وہ یقین کو ضرورت کا نام دیتے ہیں تو وہ اس معنیٰ میں تو سچے ہیں لیکن عبارت میں وہ خطاکار ہیں کیونکہ ضروری علم میں صحیح کی تخصیص درست نہیں اس لیے کہ سب اہل عقل حضرات برابر ہوتے ہیں۔ اور اس میں بھی کہ علم ضروری علم ہوتا ہے کہ دوستوں کے دل میں سبب اور دلیل پیدا کرتا ہے اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ اور اُس کی معرفت کا حصول سبب ہے۔ البتہ حضرت اُستاذ علی دقاق اور شیخ ابو سہل صعلوکی اور ان کے باپ ابو سہل نیشاپور میں ایک طبقہ کے پیشوا ہیں اس پر ہیں کہ معرفت کی ابتداء استدلال سے ہے اور منتہی علم ضروری سے ہے جیسے آغاز میں صنعتوں کا جاننا کسب ہوتا ہے اور انتہا میں ضروری۔ اہلسنت و جماعت کے ایک قول سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے۔ اُن کا قول ہے کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ معرفت خداوندی ضروری ہے اور علم ضروری جائز ہوا تو ضرورت جائز ہو گئی۔

نیز یہاں دنیا میں انبیائے کرام علیہم السلام اس حال ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام
کسی واسطہ کے بغیر یا کسی فرشتہ یا وحی کے ذریعہ سے سنتے ہیں تاکہ اسے ضروری
طور پر پہچان لیں۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بہشتی لوگ بہشت میں اللہ سبحانہٗ،
تبارک و تعالیٰ کو ضرور پہچان لیں گے کیونکہ تکلیف کا گھر نہیں ہے اور اللہ تبارک
و تعالیٰ کے نبی اور رسول مامون العاقبت، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جدائی سے
حفاظت میں ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کو ضروری پہچان لیتا ہے
تو اُسے کبھی گمراہی کا کوئی خوف یا جدائی کا کوئی ڈر نہیں رہتا۔ ایمان و معرفت کو
فضلِ خداوندی سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ ایک چھپی ہوئی حقیقت اور مخفی راز ہے۔
جب یہ ظاہر ہو جائے تو پھر ایمان ایک خبر بن جائے گا۔ اور اس کے وجود سے
اختیار اُٹھ جائے گا۔ اور اصول شرع بے قرار ہوں گی اور حکم ربوبیت باطل ہوگا
اور بلعم باعور اور ابلیس اور برصیصا کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ بالاتفاق یہ عارف
گذرے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ ابلیس مردود
کیا گیا اور برصیصا سنگسار ہوا۔ اس کی خبر بھی مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے مل چکی ہے۔ جیسا کہ اُس نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ

مجھے آپ کی عزت کی قسم میں اولادِ آدم کو گمراہ کر کے رہوں گا۔

اور حقیقت میں کہنا اور جواب سننا مقتضائے معرفت ہے۔ اور عارف جب
تک عارف ہے بے غم ہے اور جب جُدائی اور انقطاع ہوتا ہے تو معرفت میں
زوال آتا ہے اور ضرورت یعنی امر بدیہی کے علم میں زوال نہیں ہو سکتا اور یہ بات
مخلوق میں آفت ہے۔ لہٰذا اس میں اُلجھنے کی بجائے اتنا جان لینا شرط ہے
کہ اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کے بارے میں بندے کا علم اور معرفت خداوندی

ازلی فضل اور اُس کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ تاہم یہ روا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت میں بندوں کا یقین کبھی زیادہ ہوا اور کبھی کم۔ لیکن معرفت کی اصل میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی زیادتی اور کمی دونوں ہی ضرر رساں ہیں۔ اور معرفتِ خداوندی میں کسی کی تقلید کرنے کی بجائے اُس کو اُس کی صفاتِ کمالیہ کے ذریعہ پہچاننا چاہیئے۔ اور یہ درجہ منجانب اللہ محض عنایتِ حق سے حاصل ہوتا ہے اور دلائلِ عقلیہ تمام اللہ ربُّ العالمین جلّ مجدہ الکریم کے تصرف و اختیار میں ہیں۔ اگر چاہے تو دنیا کے کسی فعل کو ہی رہنما بنا کر بندہ کو اُس سے راہ دکھا دے اور اگر چاہے تو اس فعل کو اس کے لیے حجاب بنا دے تو وہ اس فعل کی وجہ سے محروم رہ جائے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے لیے معرفتِ خداوندی کی دلیل بن گئے لیکن دوسری قوم کے لیے معرفت سے حجاب کا سبب بن گئے۔ حتیٰ کہ ایک جماعت نے تو آپ کو عبداللہ کہا اور دوسری جماعت نے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا بیٹا کہا۔ اسی طرح ایک جماعت کے لیے بُت، سورج اور چاند حق کی برہان بن گئے لیکن دوسری جماعت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ سے محروم رہنے کا ذریعہ بن گئے۔ تو ثابت ہُوا کہ اگر دلیل علّت معرفت ہوتی تو لازم تھا کہ اتنی دلیل لانے والا بھی عارف ہوتا اور بظاہر مکابرہ ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جسے اللہ تبارک و تعالیٰ پسند فرمائے اُس کے لیے تمام چیزیں اس کی راہبر بنا دیتا ہے اور وہ مقامِ معرفت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو جان لیتا ہے۔ تو یہاں دلیل بندہ کے حق میں سبب ہوئی نہ کہ علّت اور سبب دوسرے سبب سے اچھا نہیں ہوتا۔ مسبب کے لیے سبب کے حق میں وارد ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ۔	مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ معرفت میں عارف کیلئے سبب کا اثبات زنار

ہوتا ہے اور غیر حق کی طرف التفات کرنا شرک ہے۔ اور جسے اللہ تبارک و تعالیٰ گمراہ کر دے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ جب لوحِ محفوظ میں بلکہ ارادہ و علمِ الٰہی میں کسی حصّے میں شقاوت ہو تو دلیل، استدلال اس کے لیے کیسے ہادی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کے قہر میں مستغرق و سرگرداں ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو اس کا گریبان پکڑ کر اُس کو وہاں سے نکال لے۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام غار سے تشریف لائے تو دن کا وقت تھا لیکن آپ نے کچھ بھی نہ دیکھا۔ حالانکہ دن کے وقت میں دلائل زیادہ اور عجائب قدرت واضح ہوتے ہیں لیکن جب رات ہوئی تو آپ نے رائی کو کہا اگر دلیل، آپ کے لیے معرفتِ خداوندی کی علت ہوتی تو یہ دن کو حاصل ہوتی کیونکہ دن کے وقت دلائل زیادہ واضح اور عجائب قدرت زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے بندہ کو اپنی جانب راہ دے دیتا ہے۔ اور اس پر اپنی معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اس قدر تقرب بخشتا ہے کہ عین معرفت بھی اُسے غیر معلوم ہوتی ہے اور اس کے لیے وہ معرفت آفت ہوتی ہے اور معرفت سے معروضات محجوب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی معرفت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ معرفت پر اس کا دعویٰ ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنّون مصری علیہ الرحمۃ کا فرمانِ عالی شان ہے:۔

اِیَّاکَ اَنْ تَکُوْنَ بِالْمَعْرِفَۃِ مُدَّعِیًا۔ — اپنے آپ کو بچا کہ کہیں تو معرفت کے مدعیوں میں سے نہ ہو جائے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یدعی العارفون معرفة — اقرّ بالجهل ذالك معرفتي

عارفین تو اس کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن میری معرفت یہی ہے کہ میں اپنی

جہالت کا اقرار کرتا ہوں۔

تجھے چاہیئے کہ معرفت کا دعویٰ نہ کرے کہ اس سے ہلاک ہو جائے گا۔ تو اپنا تعلق اس کے معنیٰ سے رکھ تاکہ تیری بخشش ہو جائے۔ پس جو کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کے کشف و جلال سے مشرف ہو جائے تو یہ اُس کے لیے آزمائش بن جاتی ہے اور اُس کی تمام صفات امتحان گاہ بن جاتی ہیں۔ اور جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کے ہو جائیں پھر کوئی شے ایسی نہیں رہتی کہ جس کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو۔ اور معرفت کی حقیقت اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی ملکیت کو جاننا ہے۔ جب کوئی شخص پوری دنیا میں اُسی کا تصرف جان لے تو اُسکو مخلوق کے ساتھ کیا تعلق رہ جاتا ہے کہ اپنے یا مخلوق کے سبب وہ حجاب میں رہے۔ کیونکہ حجاب تو جہالت میں سے ہے۔ جب جہالت فانی ہو جائے تو حجاب لاشی ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی دنیا بمنزلہٗ عقبیٰ ہو جاتی ہے۔

فصل: مشائخ کے اسرار و رموز کا انکشاف: معرفتِ خداوندی

کے بارے بزرگانِ دین کے رموز بکثرت ہیں۔ میں انشاء اللہ ان میں سے بعض اقوال فائدہ حاصل کرنے کے لیے بیان کرتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:

المعرفۃ ان لا تتعجب من شئ — معرفت یہ ہے کہ کوئی چیز تجھے حیرت میں مبتلا نہ کرے۔

اس لیے کہ تعجّب و حیرت اس فعل سے ہوتی ہے جو اپنے مقدور سے زیادہ ہو لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہر کمال پر قادر ہے تو عارف کے لیے اُس کے افعال پر تعجب کرنا محال ہوتا ہے۔ اور اگر تعجّب کی صورت کبھی ہو تو وہاں ہونی چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک

وتعالیٰ نے ایک مشت خاک کو اس مقام پہ پہنچا دیا کہ وہ اُس کی فرمانبردار بن گئی اور خون کے دو قطرات کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ وہ اُس کی دوستی اور معرفت کی بات کرتا اور اُس کے دیدار کی خواہش اور اُس کے قرب کا قصد کرتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے :۔

حقیقت المعرفۃ اطلاع الحق علی الاسرار بمواصلۃ لطائف الانوار۔

معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ لطیف انوار کے ساتھ دلوں پر اپنا جلوہ مطلع فرمائیں۔

یعنی جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عنایت سے بندہ کے دل کو انوارِ عقل سے آراستہ نہ کرے اور تمام آفات سے اُسے دُور نہ رکھے یہاں تک کہ موجودات اس کے روبرو رائی کے دانے کے مساوی نہ رہے تو بندہ پھر اس مقام پر آجاتا ہے تو تمام معانی مشاہدات ہو جاتے ہیں۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے :۔

المعرفۃ دوام الحیرۃ

دائماً متحیر رہنے کا نام معرفت ہے۔

اقسام حیرت :۔ حیرت دو اقسام میں منقسم ہے :۔

حیرت کی پہلی قسم وجود میں ہوتی ہے۔

حیرت کی دوسری قسم اُس کی کیفیت کے اندر ہوتی ہے۔

حیرت اندر ہستی شرک ہے اور کفر اور چگونگی وجود میں حیرت کرنا عین معرفت ہے اس لیے کہ اس کی ہستی میں عارف کو شک نہیں ہو سکتا اور اس کی کیفیت میں عقل کو گنجائش نہیں۔ باقی رہا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی کا یقین اور اس کی کیفیت میں

حیرت ۔ اس پر ایک عارف کا فرمان عالی شان ہے :۔

یا دلیل المتحیرین زدنی تحیرا   اے متحیرین کے رہنما میری حیرانی میں اضافہ کر۔

پہلے تو اس کے وجود کی معرفت اور اوصاف کے کمال کو ثابت کیا اور یہ جان لیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کائنات کا مقصود اور مخلوق کی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے ۔ اور متحیرین کو اس کی کیفیت کے سوا کسی شے میں تحیر نہیں اور پھر حیرت کی زیادتی کی دعا مانگی اور یہ جان لیا کہ اس مطلوب کو حاصل کرنے میں عقل کو حیرت و سرگردانی کے علاوہ کسی شے کی شرکت اور وقعت حاصل نہیں ہے ۔ اور یہ بات نہایت لطیف ہے ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہستی حق کی معرفت اپنی ہستی میں حیرت ہی کا تقاضا کرتی ہے ۔ اس لیے کہ جب بندہ نے اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ کو پہچانا اور اپنے وجود کو اُس کے قہر و تصرف کی قید میں پایا تو سمجھا کہ اس کا وجود بھی اس سے ہے اور عدم بھی اس سے تو جان لیا کہ میں کیا ہوں اور خود کون ہوں ۔ اس معنیٰ میں حضور سید العالمین رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے :۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ   جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لیا۔

یعنی جو کوئی خود کو فنا کے ساتھ پہچان لیتا ہے وہ اپنے رب تعالیٰ کو بقا کے ساتھ پہچان لیتا ہے ۔ فنا سے عقل و صفت باطل ہو جاتی ہے ۔ اور جب کسی شے کی ذات عقل میں نہ آتی ہو تو اس کی معرفت حیرانی کے بغیر ممکن نہیں ہوتی ۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے :۔

المعرفۃ ان تعرف ان حرکات الخلق و سکناتھم باللہ۔   معرفت یہ ہے کہ تو جان لے کہ مخلوق کی حرکات اور ان کا سکون سب اللہ کی

وجہ سے ہے۔

اور اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو اُس کی ملک میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔ کوئی ذات اُسی کی وجہ سے ذات ہے اور اَثر اُسی کی وجہ سے اَثر۔ صفت اُسی کی وجہ سے صفت، متحرک اُسی کے حکم سے متحرک۔ اور ساکن اُسی کی وجہ سے ساکن ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی جسم میں طاقت پیدا نہ کریں اور اُس کے دل میں ارادہ نہ رکھیں بندہ کوئی فعل بھی نہیں کر سکتا۔ اور بندے کا فعل بھی مجازی ہے۔ اور فعل حقیقی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے۔

حضرت محمّد بن واسع علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

من عرف اللہ قل کلامہ و دام تحیرہ۔

جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچان لیا اُس کا کلام کم اور حیرت دائمی ہو گئی۔

اس لیے کہ کلام تو اس کے بارے میں کی جاتی ہے جو عبارت کے لیے ایک حد بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب معبر محدود نہ ہو کہ اُس پر عبادت کی بنیاد رکھی جائے اور عبارت کے لیے ایک حد مقرر ہو تو اس غیر محدود معبر کو عبارت کے ذریعہ کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اور جب مقصود عبارت سے واضح نہ کیا جا سکے اور بندے کہ اس میں کوئی چارہ نہ ہو تو دائمی حیرت کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

حقیقۃ المعرفۃ العجز عن المعرفۃ باللہ۔

معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ معرفتِ حق سے بندہ اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔

اور بندہ دائمی طور پر اس راہ میں بجز عجز کے کوئی پتہ نہ دے۔ بندہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ ادراک ذات میں خود دعویٰ کرے۔ اس لیے اس کا عجز عین طلب ہے اور طالب اپنے ارادہ طلب میں جب تک ہے اُسے خود کو عاجز کہنا درست نہیں۔

ایک جماعت حال کے دعویٰ کرنے والوں سے کہتی ہے کہ اثبات صفتِ آدمیت اور بقائے تکلف بصحتِ خطاب اور قیام حجت معرفت کرنے والا وہ ہے جو کہے معرفت میں عجز ہی ہے اور میں عاجز ہوں اور تمام مدارج سے رہ چکا ہوں۔ یہ کھلی گمراہی ہے اور اس میں سراسر خسارہ ہے۔

حضرت علی ہجویری کا فرمان: میں کہتا ہوں کہ تم طلب میں کہاں عاجز ہوئے۔ اس عاجزی کے دو نشان ہیں۔ تم دونوں میں نہیں ہو۔ وہ نشان یہ ہیں:

پہلا نشان: پہلا نشان تو یہ ہے کہ آلۂ طلب فنا ہو جائے۔

دوسرا نشان: دوسرا نشان یہ ہے کہ اظہارِ تجلی اس درجہ تک ہو کہ جہاں آلۂ طلب فنا ہو۔

جو عبارت ہے متلاشی سے۔ تو اگر عجز سے عاجزی کرتے ہو تو عجز کے سوا کچھ نہیں۔ اور جہاں رب تعالیٰ کی تجلی کا ظہور ہو وہاں علامات ختم ہو جاتی ہیں اور تمیز کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ عاجز وہاں یہ بھی نہیں جان سکتا کہ وہ عاجز ہے یا جس چیز کو اس کے ساتھ منسوب کیا جا رہا ہے۔ اسے عجز کا نام دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ عجز غیر خدا ہے اور غیر کی معرفت کا اثبات معرفتِ حق نہیں ہوتا۔ اور جب تک دل میں غیر حق کے لیے بھی گنجائش ہے یا عارف کے لیے غیر حق سے کنارہ کش نہیں ہو جاتا تب تک وہ عارف نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے:

قد عرفت اللّٰہ ما دخل فی قلبی حق ولا باطل۔

جب سے میں نے اللہ کو پہچانا تو نہ میرے دل میں حق کا اندیشہ ہے اور نہ ہی باطل ہے۔

اس لیے کہ جب مخلوق کو کوئی کام یا خواہش درپیش ہوتی ہے تو وہ دل کی طرف رجوع

کرتی ہے اور دل اُس کو نفس کے حوالہ کر دیتا ہے جو کہ مٹ جانے والا محل ہے۔ اور اگر ان کا ارادہ پختہ ہو تو وہ دل کی طرف لوٹ آتے ہیں اور دل اُن کو رُوح کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔ جو حق اور حقیقت کا سرچشمہ ہے۔ اور جب دل میں اللہ کے غیر کا تصور موجود ہو تو عارف کے لیے اُس کی طرف رجوع کرنا عیب سا محسوس ہوتا ہے۔ تو جب خلقت برہانِ معرفت اور طلب دلیل سے کی اور مقصود و خواہش کی طلب بھی دل سے کی تو ان سے مراد حاصل نہ ہوئی۔ بالآخر وہ دل سے جُدا ہو کر اللہ تعالیٰ کے سوا اسے سکون حاصل نہ ہُوا تو اللہ کو دل سے طلب کیا۔ جب نشان اور دلیل یہاں سے نہ ملا تو حق کی طرف رجوع ہوا اور دل سے التفات ہٹا لیا اس سے اس بندہ جس کا دل رُوح کی طرف ہو اور جس کا رجوع اللہ تعالیٰ کی جانب ہو فرق ظاہر ہو گیا۔

حضرت ابو بکر واسطی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

من عرف اللہ انقطع من الکل بل خرس وانقمع۔

جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ ہر شے سے منقطع ہو گیا بلکہ وہ گونگا اور تمام اشیاء سے جُدا ہو گیا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

اُحصی ثناءً علیکَ

تیری ثناء میرے بس سے باہر ہے۔

جو شخص معرفتِ خداوندی حاصل کر لیتا ہے وہ تمام اشیاء سے الگ ہو جاتا ہے بلکہ تمام عبارات سے گنگ اور تمام اوصاف سے خود فنا ہو جاتا ہے جس طرح کہ حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کہ جب تک آپ مقام غیبت میں تھے عرب میں سب سے زیادہ صاحبِ فصاحت تھے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

انا افصح العرب والعجم میں عرب و عجم میں صاحبِ فصاحت ہوں۔

لیکن جب حضور سید عالم نورِ مجسم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو غیبت سے حضورِ حق میں لے جایا گیا تو آپ نے عرض کی کہ میری زبان کے لیے تیری حمد و ثناء کے کمال کا احاطہ کرنا ممکن نہیں میں کیا کہوں کہنے میں نہ کہنے والا ہوں اور حال سے بے حال۔ اور تو وہ ہے کہ تو ہی ہے۔ میری گفتار میری طرف سے ہو یا تیری طرف سے۔ اگر میں اپنی طرف سے بولوں تو فنا سے محجوب ہوتا ہوں۔ اور اگر اپنی ذات کی وجہ سے کچھ کہوں تو اپنی گفتار کی بدولت محجوب ہو جاؤں۔ اور اگر تیری ذات کی وجہ سے کہوں تو اپنے کسب کی بدولت تیرے قرب کی تحقیق میں محبوب ہو گا۔ اس لیے کہ میں کچھ بھی کہتا تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا اے پیارے حبیب اگر آپ کچھ نہیں کہتے تو میں کہتا ہوں:۔

لعمرك اذا سكت عن ثنائی مجھے تیری عمر کی قسم جب تم خود کو

فالكل منك ثنائی۔ میری تعریف کرنے والوں میں نہ

جانوں گے تو میں دنیا کے تمام اجزاء کو تیرا نائب کر دیتا ہوں تاکہ وہ سب میری ثناء کریں اور تمام تعریفات تیرے سپرد کریں۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور سب کچھ اُس کی توفیق سے ہے، جس کا وہ اُس کا سب کچھ۔

دوسرا کشفِ حجاب:۔ توحید کا بھید:۔

اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرمایا:۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ — تم کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لَا تتخذوا الٰهين اثنين انما هو الٰهٌ واحدٌ۔ — تم دو معبود نہ بناؤ بیشک وہ معبود برحق ایک ہی ہے۔

حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصّلوٰۃ والتسلیمات کا ارشاد مبارک ہے:۔

بين رجل فيمن كان قبلكم لم يعمل خيرا قط الا التوحيد فقال لاهله اذا مت فاحرقوني ثم استحقوني ثم ذروني نصفي في البر و نصفي في البحر في يوم رايح ففعلوا فقال الله عز وجل للريح احفظي ما اخذت فاذا هو بين يديه فقال له ما حملك ما صنعت فقال استحياء منك فغفر له۔

تم سے پہلے ایک مرد تھا جس نے عقیدہ توحید درست کرنے کے علاوہ کوئی صالح عمل نہیں کیا تھا۔ جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے اہلِ خانہ سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ باریک کر لینا۔ اور پھر جس روز تیز ہوا چلے میری آدھی راکھ کو دریا میں اور آدھی راکھ کو جنگل میں اڑا دینا اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ نے ہوا اور پانی کو حکم دیا کہ یہ سب خاک پیش کرے اور دریا کو حکم دیا کہ یہ سب خاک محفوظ رکھو تو وہ مجسمہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا گیا تو اسے ارشاد ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس کام پر آمادہ کیا تو وہ عرض کرتا ہے۔ اے اللہ میں سخت گنہ گار تھا اور مجھے تیری بارگاہ سے شرم آئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف توحید کے عقیدے کی بنیاد پر اُس کی مغفرت فرما دی۔

اقسامِ توحید:۔ توحید تین اقسام میں منقسم ہے:۔

پہلی قسم:۔ توحید حق برائے حق ۔ اور یہ وہ توحید ہے جو ذات الٰہی کے ساتھ مختص ہے ۔ اس نے اپنے یگانہ ہونے کی تصدیق کی اور اُسے اپنی وحدانیت کا علم ہے ۔

دوسری قسم:۔ دوسری توحید خلق کے لیے اور وہ حکم باری تعالیٰ ہر بندے کے لیے تو اس پر بندے کے دل میں علمِ توحید اور یقینِ وحدانیت لازمی ہے ۔

تیسری قسم:۔ مخلوق کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کو ماننا ۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کے متعلق ان کی واقفیت ہے ۔

پس جب بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہچان جاتا ہے تو اُس کی وحدانیت پر اس قسم کا عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تنہا ہے جو وصل و فصل کو قبول نہیں کرتا ۔ اُس کی ذات کریمہ میں دُوئی روا نہیں ۔ اُس کی تنہائی میں عددی نہیں کہ دیگر عدد کے ثبوت سے وہ دو ہو جائیں اور اُس کی وحدانیت عددی ہو جائے یعنی وہ ان دو کا واحد عدد ہو ۔ وہ محدود نہیں کہ اس کے لیے جہتیں ہوں ۔ اور وہ بے نہایت حدود کا خالق ہے ۔ اس کے لیے مکان نہیں اور وہ مکان کا محتاج بھی نہیں ۔ وہ عرض اور جوہر سے پاک ہے ۔ وہ حال نہیں کہ اپنے محل میں موجود ہے ۔ جوہر اس کے لیے نہیں کہ اس کا مثل ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا مثل نہیں ۔ طبعی نہیں کہ حرکت و سکون کے لیے میدان کا محتاج ہو ۔ رُوحی نہیں کہ جسم کا محتاج ہو ۔ جسم نہیں کہ اجزاء سے مرکب ہو ۔ وہ اشیاء میں قوت اور حال بھی نہیں کہ ان اشیاء کی جنس سے ہو ۔ وہ کسی شے کے ساتھ پیوند نہیں کہ اُس شے کو اُس کا جزو کہا جا سکے ۔ وہ تمام آفات سے پاک اور تمام عیوب سے بلند ہے ۔ کوئی اُس کا مثل اور مانند نہیں ۔ جیسا کہ ارشاد ہے :۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ — اس کی کوئی شئے مثل نہیں ۔

اُس کا کوئی بیٹا نہیں کہ اس کی نسل اصل کے متقاضی ہو۔ اور اس کی ذات وصفات میں تغیر وتبدل نہیں۔

ارشاد گرامی ہے :۔

لا ضد ولا ند ولا مثل لربی

الآن کما کان ولم یلق ذوال۔

اُس کی تمام صفات کامل ہیں یہاں تک کہ وہ صفات جنہیں مومن وموحد بصارت کے حکم سے ثابت کرتے ہیں۔ وہ ان سے متصف ہیں۔ وہ اُن صفات سے بری ہے جو ملحد و بے دین لوگ اپنی خواہشات کے ساتھ اُس کے لیے بیان کرتے ہیں کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو اُن کے ساتھ موصوف نہیں کیا ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ ارادہ کرنے والا اور ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا اور ہر شے کو دیکھنے والا ہے۔ وہ کلام کرنے والا اور ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے۔ عالم ہے اُس کا علم اس میں حلول نہیں کرتا۔ اُس کے کلام میں جزد اور تحدید نہیں۔ وہ اپنی صفات میں قدیم ہے۔ اُس کے علم سے معلومات باہر نہیں۔ موجودات کو اُس کا ارادہ ضروری ہے۔ وہ کرتا ہے جو اس کے ارادہ میں ہے۔ وہی کرتا ہے جو اُسے معلوم ہے۔ اُس کے احکام سب حق ہیں کہ اُس کے دوستوں کو بجز تسلیم چارہ نہیں۔ اُس کا فیصلہ اٹل ہے کہ اُس کے دوستوں کو اُس پر عمل کیے بغیر مجال نہیں۔ خیر اور شر کا مقدر کرنے والا بجز اُس کے کوئی نہیں۔ اُس کے سوا کوئی اُمید اور خوف کے لائق نہیں۔ خالق کل ہے اُسی کا حکم ہے اُس کے سوا کسی کا حکم حقیقی نہیں۔ اُس کا ہر فعل اور ہر حکم سب حکمت ہے۔ اس کی قضا حق ہے۔ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

اُس کا دیدار جنتیوں کے لیے روا ہے۔ اُس کے لیے کوئی تشبیہ و جہت نہیں۔ اُس کی ذات پر تقابل و مواجہہ متصوّر نہیں۔ اور دنیا میں اُس کے رفقاء کے لیے اُس کا مشاہدہ روا ہے۔ اور اُس کا انکار شرط نہیں۔ جو شخص اُس کو اس طرح جانتا ہے وہ ملحد اور بے دین لوگوں میں سے نہیں۔ اور جو اُس کو اُس کے خلاف جانتا ہے وہ دین و ایمان سے خارج ہے۔ اُس معاملے میں اصولی و وصولی طور پر کلام بہت ہے لیکن میں نے طوالت کے خوف سے اس کو مختصر کیا ہے۔

حضرت علی ہجویری کا فرمان:

میں نے جو کہ علی بن عثمان ہجویری ہوں۔ اس فصل کے شروع میں کہہ دیا تھا کہ توحید کسی شے پر وحدانیت کا حکم لگانے کو کہتے ہیں۔ اور یہ حکم علم کے بغیر نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ اس لیے کہ اہلسنّت نے حکم کیا ہے اس کی یگانگت پر۔ اس لیے کہ اُنھوں نے اس کی صنعت لطیف دیکھی اور افعالِ عجیب کا معائنہ کیا۔ اس کی صنعتِ عجیبہ اور لطیفہ پر کافی نظر کی۔ اور ان کا خود بخود ہونا محال جانا اور ہر شے میں حدوث و تغیّر کی علامت پائی تو ضرور یہ درست سمجھا کہ اس کے لیے فاعل کی ضرورت ہے تاکہ وہ نیست سے ہست کرے یعنی جہان میں زمین، آسمان، چاند، سورج، خشکی، تری، بیابان، پہاڑ۔ اور ان کی حرکات و سکنات اور علم و کلام، زندگی، موت یہ سب بلا صانع وجود میں آنے والے ممکن نہیں اور پھر دو تین صانع کا بھی یہ محتاج نہیں بلکہ ایک صانع کامل زندہ اور قدرت والا مختار اور شرکاء کی شرکت سے بے نیاز لازمی ہے۔ جب فعل ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ایک فعل کے دو فاعل اگر ہوں تو ایک دوسرے کا محتاج ضرور ہوگا۔ تو لامحالہ بغیر کسی شکوک و شبہات کے علمِ یقینی کے ساتھ یہی ہونا چاہیئے کہ فاعل ایک ہی ہو۔ اس سلسلہ میں دو خدا ماننے والوں نے

نور و ظلمت کو ثابت کیا۔ آگ کے پجاریوں نے یزدان واہرمن کو ثابت کر کے طبیعی فلاسفہ نے طبیعت اور قوت کو ثابت کر کے آسمان والوں نے سات ستاروں کو ثابت کر کے ہمارے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ میں نے ایک چھوٹی سی دلیل کے ذریعہ ان سب کو رد کر دیا ہے۔ اس لیے یہ کتاب ان کے ان واہی خیال کے رد کرنے کو نہیں ہے۔ یہ مسئلہ دیگر کتب سے دیکھنا چاہیئے جہاں میں نے بیان کیا ہے۔ اس کتاب کا نام الرعایت بحقوق اللہ رکھا ہے۔ یا متقدمین کی اصول کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ان میں اگر اللہ نے چاہا تو توحید کے متعلق مشائخ کے بیان کیے ہوئے اسرار و رموز کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فصل: توحید کے اسرار و رموز:۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

التوحید افراد القدم عن الحدث۔ — قدیم کو حادث سے جدا کرنے کو توحید کہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ تو قدیم کو حوادث کا اور حادث کو قدیم کا محل نہ جانے اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ قدیم ہے اور تو حادث۔ اور تیری جنس سے کوئی شے اُس کے ساتھ نہیں مل سکتی اور اُس کی صفات سے کوئی شے تیرے اندر نہیں مل سکتی کیونکہ قدیم کے ساتھ کوئی مجانست نہیں ہوتی اس لیے کہ قدیم تو حادث چیزوں کے وجود سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ تو جب وجود حوادث سے قبل قدیم تھا۔ تو وہ حادث کا محتاج نہیں تھا تو بعد وجودِ حوادث بھی اُس کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ تو ان حوادث کے پیدا ہونے کے بعد بھی ان کا محتاج نہ ہوگا۔ یہ اُن لوگوں کا اختلاف ہے جو رُوح کو قدیم کہتے ہیں۔ اور ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ جب کوئی شخص

قدیم کو حادث میں اُترنے یا حلول کرنے والا کہے یا حادث کو قدیم کے ساتھ متعلق مانے تو پھر اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے اور دنیا کے حادث ہونے کی کوئی برہان باقی نہ رہے گی۔ اور یہ مذہب دہریوں کا ہے۔ ہم ایسے عقائد سے خدا کی پناہ کے طالب ہیں۔

الحاصل کلام: حاصل کلام یہ کہ حادث اشیاء کی تمام حرکات توحید باری تعالیٰ کے دلائل ہیں اور اللہ ربّ العالمین جل مجدہ الکریم کی قدرت پر شاہد اور اُس کے قدیم ہونے کا ثبوت ہیں۔ لیکن انسان اس سے بڑا غافل ہے اور ماسوی اللہ کا طالب ہے اور یادِ الٰہی کے بغیر آرام کا متلاشی ہے حالانکہ جب تیرے نیست اور ہست کرنے میں اُس کا کوئی شریک نہیں تو یہ بھی محال ہے کہ تیری تربیت میں اُس کا کوئی ثانی ہو سکے۔

حضرت حسین بن منصور کا فرمان عالی شان ہے:۔

اوّل قدم فی التوحید فناء التفرید — توحید میں پہلا قدم تفرید کا فنا ہے۔

اس لیے کہ تفرید کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی کو عیوب و آفات سے جُدا کرنے کا حکم لگایا جائے۔ اور توحید کسی وحدانیت کا حکم لگانے کو کہتے ہیں۔ پس تفرید میں غیر کا ثابت کرنا لازم آتا ہے کہ اس کے بغیر ان صفات کو بیان نہیں کیا جا سکتا کہ وحدانیت میں غیر کا ثابت رَوا نہ رہے اور غیر حق کو اس صفت میں نہیں جاننا چاہیئے تو التفرید مشترک عبارت ہے اور شرک کو دور کرنے کا نام توحید ہے، تو توحید کا پہلا قدم شرکت کی نفی کرنا ہے۔ اور راستہ کے مزاج کا دُور کرنا۔ کیونکہ مزاج راستہ میں چراغ کی طرح ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے راستہ دیکھا جائے۔ حضرت حضرمی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اصولنا فی التوحید خمسة اشیاء رفع الحدث واثبات القدم وھجر الاوطان ومفارقة الاخوان ونسیان علم و جھل۔

ہمارے اصولِ توحید میں پانچ اشیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے حادث ہونے کی نفی کرنا، قدیم ہونا ثابت کرنا، اپنے لیے وطنوں کا ترک کرنا، بھائیوں کر الگ ہو جانا اور معلوم اور نا معلوم کو بھول جانا۔

لیکن رفع حدث نفی محدثات ہے۔ مقارنتِ توحید و استحالۂ حداوث سے ذاتِ الٰہ العالمین میں اور اثباتِ قدیم یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کریمہ ازلی و ابدی ہے۔ جس کی شرح اس سے پہلے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے قول میں مَیں بیان کر چکا ہوں۔ اور ہجر اوطان سے مراد نفس کی پسند کی ہوئی اشیاء، راحت القلوب اور مسکن الطبائع کو ترک کر دینا اور جادۂ حق کا قصد کرنے والے کا دنیا کی رسومات، بلند مقامات بہتر حالات اور بڑی آبرو سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اور مقامات بلیغی اور احوال کی خوبی اور کرامات رفیع سے مراد کو دُور رکھے۔ اور مفارقۃ اخوان سے مراد اعراض کرنا ہے۔ صحبتِ خلق سے اور صحبت قبول کرنا۔ اس لیے کہ اگر اُس کے دل میں اندیشۂ غیر گذر کرنے لگے۔ تو موحّد کے لیے یہ بھی ایک حجاب ہے۔ اور اسی قدر میں وہ آفت ہوتا ہے۔ جس مقدار کے موحّد کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لیے کہ اس پر تمام اُمم متفق ہیں کہ توحید باری تعالیٰ پر ارادوں کے جمع ہونے کو کہتے ہیں۔ جبکہ غیر کے ساتھ سکون پانا ارادوں کے تفرقے کی نشانی ہے۔ اور نسیان علم وجہل کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کا علم یا تو ماہیئت و کیفیت کے متعلق ہوتا ہے۔ یا پھر جنس و طبیعت کے متعلق۔ جو مخلوق کی جہالت ثابت کرے وہ ان کے علم کے

خلاف ہے اس لیے کہ جہالت توحید نہیں اور تحقیق توحید کا علم نفی تصرف کے سوا درست نہیں ہوتا اور علم وہی ہے جس پر جہل کا اثبات ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہالت توحید نہیں اور علم و جہالت میں تصرف کے بغیر کچھ نہیں۔ ایک بصیرت پر متصرف ہے تو دوسرا غفلت پر متصرف ہے۔

مشائخ میں سے ایک شیخ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"میں حضرت خضری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ مجھے نیند آ گئی اور میں نیند کی حالت میں دیکھا کہ دو ملائکہ آسمان سے زمین پہ آئے ہیں اور چند منٹ وہ آپ کا بیان سنتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ یہ بزرگ کلام کرتا ہے تو کلام علمِ توحید ہے عینِ توحید کا علم نہیں۔ جب میری نیند سے آنکھ کھلی تو آپ توحید ہی بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے میری طرف چہرہ کر کے فرمایا! اے فلاں توحید کے بارے میں علم کے سوا کچھ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

"توحید یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ پناہ میں ایک ایسا بن جائے کہ اس میں اپنے نفس کے تصرفات فنا ہو جائیں اور توحید کے سمندر اور احکامِ الٰہیہ جاری ہونے میں صرف تصرف الٰہی ہی کار فرما ہو۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حقیقی قرب میں اور سانس کی توحید سے پوری طرح باخبر ہو جانے کے سبب سے اپنے احساس و ارادے سے اس طرح بے خبر ہو جائے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارے

اور صرف اُسی کی دعوت کا جواب دے۔ اور یہ ایسا ہو جائے گا کہ جیسا
کہ بندے کی آخری حالت اُس کی پہلی حالت کی طرف راجع ہو۔ یعنی
اس طرح ہو جائے جیسے وجود میں آنے سے پہلے تھا۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ مُوحّد کو اپنے اختیار میں کچھ تصرف نہ رہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے وحدانیت میں ایسا گم ہو جائے کہ خود کو بھی نہ دیکھے اور محلِ قربت میں اس کا نفس فنا ہو جائے اور اس کی حس جاتی رہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام اس پر جاری ہوں اور ایسا ہو جائے جیسا کہ ازل میں توحید کی حالت میں تھا کہ کہنے والا بھی حق تھا اور جواب دینے والا بھی حق تھا۔ اور جو ایسا ہو اُس کو مخلوق سے آرام نہیں ہوتا اور اُسے کسی چیز سے محبت نہیں ہوتی کہ ان کی دعوت قبول کرے اور اس بات میں فنا کا اشارہ صفت اور سلیم سے ہے۔ جبکہ کشفِ جلالت بحالتِ قہر ہو کہ بندہ اپنے اوصاف سے فنا ہو جائے تو آلہ اور جوہر لطیف ہو جاتا ہے۔ کہ اگر اس کے جگر میں نیزہ ماریں تو تمیز کے بغیر پار ہو جائے۔ اور اگر اس کی صحیح وسلامت پیٹھ پہ ماریں تو بے تصرف اس کو کاٹ دیئے۔

حاصل کلام یہ کہ وہ تمام اوصاف سے فانی ہو جائے اُس کا جسم

حاصل کلام: اللہ کے بھیدوں کا مرکز بن جائے یہاں تک کہ اس کا نطق حوالۂ حق ہو جائے اور اس کے فعل کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اس کی صفت کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور صرف حجت کے ثبوت کے لیے احکامِ شریعت اُس پر باقی رہیں ورنہ وہ تمام اُمور کے دیکھنے سے فانی ہو چکا ہو اور یہی صفت حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تھی کہ جب معراج کی رات آپ کو مقامِ قرب میں پہنچایا تو مقام کا فاصلہ تھا مگر قرب میں فاصلہ نہیں تھا۔ آپ کا حال عوام کی سوچ سے بالاتر رہے اور وہموں سے الگ۔ اس حد تک دنیا نے اُسے گم کیا۔ وہ آپ سے گم ہوا۔ اور صفت بے صفت کی فنا میں حیران۔ طبیعت کی ترتیب اور اعتدالِ مزاج پریشان

ہوا نفس دل کے مقام پر پہنچا اور دل وجان کے درجہ تک اور جان سر کے مقام پر اور سر قرب کی صفت میں اور سب میں سب سے الگ ہوا۔ چاہا کہ وجود خراب ہو جائے اور جسم کو چھوڑ دے۔ اس سے مراد حجت قائم کرنا تھا۔ حکم ہوا کہ بحال ہو تا کہ قوت پائے اور وہ قوت اس کی قوت ہو۔ اور اس کی ہستی سے ہستی ذات کا ظہور ہو۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

اِنی لست کاحدکم انی ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی۔	میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں تو اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہ مجھے

کھلاتا اور پلاتا ہے۔

جس سے میں زندہ اور قائم ہوں۔

پھر ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔	میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور مرسل اور نبی

کی گنجائش نہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

ذات اللہ موصوفۃ بالعلم غیر مدرکۃ بالاحاطۃ ولا مرئیۃ بالابصار فی دار الدنیا وھی موجودۃ بحقائق الایمان من غیر حد ولا حلول	اللہ تعالیٰ کی ذات علم کے ساتھ موصوف ہے۔ نہ تو ادراک کے احاطے میں آسکتی ہے اور نہ ہی دنیا میں آنکھوں سے اُس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایمان کے حقائق میں حد اور حلول

وترءاه العیون فی العقبیٰ ظاهرا و باطنا فی ملکه و قدرته و قد حجب الخلق عن معرفة کنه ذاته ودلهم علیه بایاته والقلوب تعرفه والعقول لا تدرکه ینظر الیه المومنون بالابصار من غیر احاطه ولا ادراک نهایة۔

کے بغیر موجود ہے۔ البتہ عقبیٰ میں آنکھیں اُس کو اس کی ملک اور قدرت میں ظاہری اور باطنی طور پر دیکھ لیں گی اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی ذات کی حقیقت کی معرفت سے پردے میں رکھا ہے اور اپنی ذات پر آیات و براہین سے مخلوق کی رہنمائی کی ہے۔ دل اُس کی پہچان حاصل کر لیتے ہیں لیکن عقول اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آنکھیں اُس کا احاطہ اور اس کی نہایت کا ادراک کیے بغیر روز محشر اُس کے دیدار کا شرف حاصل کریں گی۔

توحید کے جملہ احکام کے لیے یہ لفظ توحید کے لیے جامع ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان عالی شان ہے:۔

اشرف کلمة التوحید قول ابوبکر رضی اللہ عنہ سبحان من لم یجعل لخلقه سبیلا الیٰ معرفته الا بالعجز عن معرفته۔

توحید میں بہترین کلمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کلمہ ہے۔ وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے کے لیے اپنی معرفت میں کوئی راہ نہیں رکھی بجز معرفت سے اعتراف عجز کے۔

اور یہ محال ہے اس لیے کہ عجز اپنی حالت میں ایک صورت رکھتا ہے اور بحالتِ معدوم عجز کی کوئی صورت نہیں جیسے مردہ زندہ رہنے سے عاجز نہیں اس لیے کہ موت میں موت سے عاجز ہوتا ہے کہ اس کی قوت کے لیے عجز کا اطلاق ہی محال ہے اور اندھا روشنی سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ وہ اندھا ہونے کی حالت میں اندھاپن سے

عاجز ہوتا ہے۔ اسی طرح اپاہج کھڑا ہونے سے عاجز نہیں ہوتا کہ بیٹھنے میں، بیٹھنے سے عاجز ہو۔ جیسا کہ عارف معرفت سے عاجز نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ معرفت موجود ہوتی ہے اور جب اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ہم اُس بات پر محمول کریں گے جو حضرت ابو سہل معلو کی اور اُستاد ابو علی دقاق نے فرمائی ہے کہ معرفت تو ابتدا میں ہوتی ہے انتہا میں جا کر وہ ضروری ہو جاتی ہے۔ اور علم وہ ضروری ہوتا ہے کہ اُس علم کا عالم اُس کے ہوتے ہوئے اس کے دُور کرنے اور کشش سے بے قرار اور عاجز ہو تو اس قول کے مطابق توحید بندہ کے دل میں فعلِ حق ہوتا ہے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:

التوحید حجاب الموحد عن جمال احدیته۔	توحید موحِّد کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی احدیت کے جمال سے حجاب ہوتی ہے۔

اس لیے وہ توحید کو بندے کا فعل گردانتے ہیں۔ اور بندے کا فعل مشاہدۂ حق کے لیے کبھی بھی علت نہیں بن سکتا۔ اور جو شے عین کشف میں کشف کے لیے علت نہ بن سکے وہ حجاب ہوتی ہے اور بندہ اپنے تمام تر اوصاف کے ساتھ غیر حق ہوتا ہے کیونکہ اگر اپنی صفت کو وہ حق سمجھنے لگے تو لامحالہ اس صفت کا موصوف بھی حق ہی سمجھا جائے گا جو کہ یہ خود ہے۔ اس وقت موحّد، توحید اور اَحد تینوں ایک دوسرے کے وجود کے لیے علت بن جائیں گے۔ اور یہ بقیہ ثالث ثلثہ نصاریٰ کا ہوتا ہے اور جو صفت کہ طالب کو توحید میں اپنی فنا سے مانع ہے۔ ابھی اس صفت میں محجوب ہے اور جب تک محجوب ہے موحّد نہیں۔

ارشاد گرامی ہے:

لانّ ما سواہ من الموجودات   اس لیے کہ موجودات بجز اللہ جو کچھ ہے باطل ہے۔

اس لیے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ ہے سب باطل ہے اور طالب بھی اس کا غیر ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر یہ ہے کہ صفتِ طالب اللہ تبارک و تعالیٰ کے جمال کے کشف میں باطل ہو جائے۔

حسین بن منصور کا فرمان:۔ ایک روز حضرت ابراہیم خواص حضرت حسین بن المنصور رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے کوفہ گئے تو حضرت حسین بن منصور نے فرمایا:۔

"اے ابراہیم! تو نے اپنی عمر کس بات میں گذاری۔"

آپ نے جواب دیا:۔

"میں نے خود کو توکل میں درست کیا ہے۔

حضرت حسین بن منصور نے فرمایا:۔

یا ابراہیم ضیعت عمرك فی عمران باطنك فاین انت من الفناء فی التوحید۔   اے ابراہیم تم نے اپنی تمام عمر اپنے باطن کی تعمیر میں ضائع کر دی ہے تو فنا فی التوحید کا مقام تجھے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

توحید میں مشائخ کے بکثرت اقوال ہیں۔ ایک جماعت اسے بقا کہتی ہے اس لیے کہ بقاء صفت کے سوا توحید درست نہیں ہوتی۔ دوسری جماعت کا قول ہے کہ فنا کے بغیر توحید کی صفت حاصل نہیں ہوتی اور اس کا قیاس جمع اور تفرقہ کا کرنا چاہیئے تا کہ پتہ چل جائے۔

حضرت علی ہجویری کا فرمان:۔ اور میں علی ابن عثمان الجلابی کہتا ہوں کہ

توحید اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے لیے وہ راز ہیں جو عبارت سے بیان نہیں کیے جا سکتے کہ کوئی شخص ان کو عبارت سے مزین کر کے بیان کر سکے کیونکہ عبارت اور جس کو اس عبارت میں بیان کیا جا رہا ہے آپس میں غیر ہوتے ہیں۔ اور توحید میں غیر کا ثابت کرنا شرکت ہوتا ہے۔ اس وقت وہ ہویدا ہوتی ہے اور موحّد الٰہی ہوتا ہے نہ کہ ایک لاہی۔ یہ ہے توحید کا حکم اور مسلک اربابِ معرفت یہاں مختصر طور پر بیان کیے گئے۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

تیسرا کشفِ حجاب:۔ ایمان کی حقیقت کا بیان :۔

اللہ رب العٰلمین جل مجدہ الکریم نے اپنی لاریب کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرمایا:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ اے لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

الایمان ان تومن باللّٰهِ وملٰئِکَتِهٖ وکُتُبِهٖ۔ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، فرشتوں پر اور کتابوں پر ایمان لائے۔

اور ایمان لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں اور اس بحث پر اہلِ علم کے بکثرت اقوال ہیں۔ اور احکامِ شرعیہ بھی کافی ہیں۔ اور اختلاف کرنے والے معتزلہ اور خوارج بھی بکثرت ہیں۔ چنانچہ معتزلہ تمام علمی اور عملی عبادات کو ایمان قرار دیتے ہیں۔ اور اسی لیے وہ انسان گناہِ کبیرہ کے ارتکاب پر ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔

خارجیوں کا بھی یہی قول ہے۔ اور وہ بھی انسان کو اُس کے گناہ کے سبب جس کا اس نے ارتکاب کیا ہو کافر قرار دیتے ہیں۔ پھر دوسرا گروہ صرف زبانی قول ہی کو ایمان کہتا ہے اور پھر تیسرا گروہ وہ ہے جو صرف معرفت پر ہی ایمان کا اطلاق کرتا ہے۔

ایمان کی تعریف: متکلمین اہل سنّت کی ایک جماعت مطلقاً تصدیق کو ہی ایمان قرار دیتی ہے۔ میں نے اس کے بارے میں ایک مکمل کتاب تحریر کی تھی۔ تاہم یہاں میری مراد صوفیائے کرام کے اعتقاد کا اثبات ہے۔ چنانچہ ایمان کی تعریف کے مسئلہ پہ بزرگانِ دین کے دو گروہ ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض حضرت بشر حافی، حضرت خیر النساج، حضرت سمنون المحب، حضرت ابو حمزہ بغدادی حضرت ابو محمد حریری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور اسی ذوق دیگر صاحبان پر مشتمل گروہ یہ کہتا ہے کہ قول، تصدیق اور عمل تینوں کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔ فقہاء اور اہل یقین کی ایک جماعت بھی ان کی تائید کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت ذوالنون مصری، حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابو سلیمان دارانی، حضرت حارث محاسبی حضرت جنید بغدادی، حضرت سہل بن عبداللہ بن تستری، حضرت شقیق بلخی، حضرت حاتم اصم، حضرت محمد بن فضل البلخی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ایمان، قول اور تصدیق سے عبارت ہے۔ اور ایک جماعت فقہائے اُمت کی ہے جیسے حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے سوا ایک جماعت اسی پہلے قول پر ہیں۔ پھر سراج الاُمت حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، حضرت حسن بن فضل بلخی اور امام اعظم کے اصحاب جیسے محمد بن حسن داؤد طائی، امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اس پہلے قول پر ہیں اور حقیقت میں یہ اختلافِ عبارت ہے معنیٰ میں۔ اَب میں اختصار کے ساتھ

ایمان کے معنی کو انشاء اللہ بیان کرتا ہوں۔ تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ اور میں اس اختلاف میں کسی کو ایمان کے بارے میں عقیدۂ حقّہ کا مخالف نہیں سمجھتا۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہے۔

فصل :۔ حقائق ایمانی کا انکشاف :۔ جاننا چاہیئے کہ اہل سنت وجماعت اور اہل تحقیق معرفت کا اس کے متعلق اتّفاق ہے کہ ایمان کی ایک بنیاد ہے اور ایک فرع ہے۔ ایمان کی بنیاد تو یہ ہے کہ دل کے ساتھ تصدیق کی جائے۔ اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرنا اور ان کی رعایت رکھنا ایمان کی فرع ہے۔ اور عرف وعادت میں ہے کہ ایک چیز کی فرع کو بصورت استعارہ اصل کے نام سے بولتے ہیں جیسے آفتاب کے نور کو عام طور پر آفتاب ہی کہتے ہیں۔ اس معنی میں اطاعت کو ایمان کہا گیا اور اس ذات کے فضل سے بندہ بجز عمل عذاب سے بے غم نہیں ہو سکتا اور صرف تصدیق مقتضی امن نہیں جب تک حکم کی تعمیل نہ کرے۔ تو جس کی اطاعت زیادہ ہو گی اسے عذاب سے بھی زیادہ امن ہو گا۔ چونکہ طاعت امن کی علّت ہے اور اقرارٌ باللسان اور تصدیق بالقلب شرط ہے اور اسے ہی ایمان کہا جاتا ہے۔ پھر ایک اور گروہ کا قول ہے کہ امن کی علّت معرفت ہے نہ کہ اطاعت۔ اگرچہ اطاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو طاعت بے سود ہے۔ لیکن اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو نجات ہو سکتی ہے۔ اگر اس کا حکم ارادۂ خداوندی میں ہوتا ہے یعنی اللہ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے گا یا حضور نبی کریم شفیع المذنبین رحمۃٌ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ والتسلیم کی شفاعت سے مغفرت فرمائے گا یا اس کے گناہ کے انداز پر اسے عذاب کرے گا۔ پھر جہنم سے نکال کر جنّت عنایت فرمائے گا۔ تو اربابِ معرفت اگرچہ گنہ گار ہوں معرفت کے سبب سے دائمًا

جہنم میں نہیں رہیں گے۔ اور اگر معرفت نہ ہو اور عمل ہی عمل ہوں تو اس سے وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ تو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ عذاب سے محفوظ رہنے کی علت اطاعت نہیں جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:۔

لن ینجوا احد کم بعملہ قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ۔

تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے عمل کے سبب نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھی اپنے اعمال کے سبب سے نجات نہیں پا سکیں گے۔ تو آپ نے فرمایا ہاں میں بھی محض اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اسی صورت میں نجات پا سکوں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔

پس تحقیق و حقیقت کی رو سے اور امت کے اتفاق کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ معرفتِ خداوندی کا نام ایمان ہے اور اس کا اقرار یہ ہے کہ عمل کو قبول کیا جائے۔ اور جو شخص بھی اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کو پہچانتا ہے اُس کے اوصاف میں سے کسی وصف کی وجہ ہی سے پہچانتا ہے۔ اُس کے حسنِ اوصاف تین طرح کے ہیں۔ ان میں بعض کا تعلق اُس کے جمال کے ساتھ ہے اور بعض کا تعلق جلال کے ساتھ ہے اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق اُس کے کمال کے ساتھ ہے۔ معرفتِ جمال میں طالب ہمہ اوست کا مشتاق رہتا ہے۔ اور جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا عاشق ہو وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے متنفر رہتا ہے۔ اور اس کا دل مقامِ حیرت میں ہوتا ہے تو شوق تاثیرِ محبت کا نام ہے اور ایسا ہے اوصافِ بشریت سے متنفر ہوتا ہے اس لیے کہ کشفِ حجاب اور صفتِ بشریت بجز عینِ محبت نہیں تو ایمان اور معرفت محبت ہے اور محبت کی نشانی طاعت ہے۔

اس لیے کہ جب دل محل مشاہدہ ہے آنکھ محل دیدار اور جان جسم کے لیے محل عبرت ہے۔ اور دل مقامِ مشاہدہ ہے تو جسم کے لیے لازمی ہے کہ حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اور جس شخص کا جسم بحکمِ الٰہی کا تارک ہو وہ معرفتِ خداوندی سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس عہد کے صوفیائے کرام میں یہ آفت ظاہر ہو چکی ہے کہ بے دینوں کی ایک جماعت نے ان کے جمال کا مشاہدہ کر کے اُن کی عظمت کا حساب لگا لیا ہے اور خود کو اُن جیسا بنا کر کہنے لگا ہے کہ احکامِ شرعیہ کی یہ آفت اُس وقت تک ہے جب تک خدا کی پہچان نہ ہو۔ لیکن جب پہچان حاصل ہو جائے تو پھر جسم سے اطاعت کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے اور اعمال و اطاعت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ جب تو نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہچان لیا تو تیرا دل شوق کا محل بن گیا۔ اب اُس کے حکم کی تعمیل و تعظیم زیادہ ہونی چاہیئے۔ جو طاعت خلقت تکلیف جان کر کرتی ہے وہ اُسے تکلیف محسوس نہ ہو اور یہ بات تب حاصل ہوتی ہے جب شوق اطاعت بے چین کرنے والا پیدا ہو جائے۔ پھر ایک جماعت ایمان کو تمام کا تمام اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے کہتی ہے اور دوسری جماعت تمام کا تمام بندہ کی جانب سے جانتی ہے اور ماوراء النہر کے علاقہ میں یہ اختلاف لوگوں کے درمیان بہت لمبا ہو چکا ہے۔ جو کچھ ذاتِ حق کے متعلق کہتے ہیں وہ محض جبر ہے اس لیے بندہ اس میں مضطر چاہیئے۔ اور جو اپنے سے کہتے ہیں وہ سب محض قدر ہے۔ کیونکہ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ معلوم نہ کرے بندہ اسے جان نہیں سکتا اور طریقۂ توحید جبر سے کم اور قدر سے زیادہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بندہ کا فعل اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے۔ اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔

اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ تنگ اور سخت کر دیتا ہے۔

اس اصل کے مطابق چاہیئے کہ ایمان کی طرف میلان ہدایتِ خداوندی سے ہو اور مائل ہونا بندہ کا اپنا فعل ہو۔ پس ایمان کی طرف مائل ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ دل پر توحید کا اعتقاد ہو۔ آنکھ منع کردہ اشیاء کو دیکھنے سے محفوظ رہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی نشانیوں اور آیات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے، اس کے کلام کو غور سے سننے پر لگے رہیں معدہ حرام کھانے سے خالی رہے۔ دائمی طور پر زبان حق گو رہے اور بدن ممنوعہ افعال سے مجتنب رہے تاکہ عمل دعویٰ کے مطابق ہو جائے۔ اسی لیے یہ گروہ معرفتِ ایمان میں کمی بیشی کو روا جانتا ہے۔ حالانکہ اس پر سب متفق ہیں کہ معرفتِ ایمان میں کمی بیشی درست نہیں کیونکہ اگر معرفت میں زیادتی اور نقصان ہو سکتا ہو تو معروف میں کمی بیشی ممکن ہونی چاہیئے۔ لہٰذا جب معروف پر زیادتی اور نقصان جائز نہیں ہے تو معرفت پر بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ ناقص معرفت، معرفت نہیں ہوتی۔ پس یہ ہونا چاہیئے کہ زیادتی اور نقصان، فرع اور عمل میں واقع ہو اور بالاتفاق اطاعت پر کمی بیشی کا واقع ہونا جائز ہے۔ اور حشویوں کے جو دو فریق کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ طاعت کو ایمان کہتا ہے اور دوسرا گروہ صرف قول کو ایمان کہتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں اقوال ناانصافی پر مبنی ہیں۔ بہرحال حقیقت میں ایمان یہ ہے کہ بندہ کے تمام اوصاف اللہ تبارک و تعالیٰ کی تلاش مستغرق ہو جائیں۔ اور

تمام طالبانِ حق کو اس بات پر متفق ہو جانا چاہیئے کہ معرفت کی بادشاہی کا غلبہ عدمِ معرفت کے اوصاف کے نقصانات کو مغلوب کرنے والا ہے۔ اور جہاں ایمان موجود ہو تو وہاں سے عدمِ معرفت کے اسباب دُور ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ:۔

اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ عَطَلَ الْمِصْبَاحِ۔	جب دن نکل آتا ہے تو چراغ معطّل ہو جاتا ہے۔

کسی عارف کا فرمان عالی شان ہے:۔
"روشن دن کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا	جب بادشاہ کسی قریہ میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے برباد کر دیتے ہیں۔

یعنی جب عارف کے دل میں معرفت کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے تو گمان شک اور عدمِ معرفت کی حکمرانی فنا ہو جاتی ہے اور معرفت کی بادشاہت اس کے حواس و خواہشات کو اپنا مسخر کر لیتی ہے تاکہ وہ جس شے میں دیکھے جو کچھ کرے اور جو کچھ کہے سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے دائرہ حکم میں ہو۔

حضرت ابراہیم خواص کا فرمان

میں نے سُنا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے اس لیے کہ میں جو کچھ کہوں صرف کہنا ہی ہوگا اور مجھے چاہیئے کہ معاملہ سے جواب دُوں۔ البتہ میں مکّہ مکرمہ جانے کا قصد رکھتا ہوں تم بھی اسی قصد سے سفر میں میرے ہمراہ رہنا تاکہ تمھیں اپنے سوال کا جواب مِل جائے

راوی کا قول ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ میں اُن کے ساتھ بیابان میں پہنچا تو معاملہ یوں ہوا کہ ہر روز دو روٹیاں اور شربت کے دو پیالے ظاہر ہوتے۔ آپ اُن میں سے ایک مجھے دے دیتے اور ایک کو خود اُٹھاتے حتیٰ کہ بیابان میں ہی ایک روز ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ جب اُنہوں نے آپ کو دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اُتر آئے اور دونوں نے ایک دوسرے کا حال دریافت کیا۔ کچھ دیر باہم گفتگو کرتے رہے اور پھر وہ بزرگ اپنے گھوڑے پر سواری کر کے واپس تشریف لے گئے۔ میں نے عرض کی اے بزرگ یہ بوڑھے آدمی کون تھے تو آپ نے فرمایا وہ تیرے سوال کا جواب تھا۔ میں نے عرض کیا یہ کیسے۔ فرمایا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اُنہوں نے میری مصاحبت طلب کی۔ میں نے قبول نہ کی۔ میں نے عرض کی حضور کیوں قبول نہیں کی۔ آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرا کہ اُس کی مصاحبت غیر اللہ پر توکل ہے اس سے کہیں میرا توکل برباد نہ ہو جائے اور ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے:۔

وَ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ۔	اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرو۔

حضرت محمدؒ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے:۔

الایمان تصدیق القلب بما علم به الغیوب۔	ایمان دل کے اُس یقین کا نام ہے جو اُس پر غیب سے منکشف ہوا ہے۔

اور غیب سے اُسے سکھایا جائے۔ کیونکہ ایمان ہوتا ہی غیب پر ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ جو غائب ہے۔ سر کی آنکھوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنی ہی تائید و تقویت کے بجز بندے کے یقین میں نہیں آسکتا۔ اور یہ ایمان بالغیب اللہ تعالیٰ

کی اطلاع سے ہی ممکن ہو سکتا ہے جیسا کہ جو معرفت اور علم، عارفین اور علمائے کرام کو حاصل ہوتا ہے وہ معرفتِ الٰہی ہی ہوتی ہے کہ اس نے ان کے قلوب میں اس معرفت اور علم کو پیدا کیا ہوتا ہے۔ اور علم و معرفت کا تعلق ان کے اپنے کام سے منقطع ہوتا ہے۔ تو جو شخص اپنے قلب کو معرفتِ خداوندی یقین دیتا ہے وہ واصل باللہ مومن ہوتا ہے۔ میں نے اس بحث پر اور جگہ بہت کچھ بیان کیا ہے۔ اس لیے اس جگہ اتنی مقدار پر ہی اکتفا کرتا ہوں تاکہ یہ کتاب لمبی نہ ہو جائے۔ اہل بصیرت کے لیے یہ مقدار ہی کافی ہے۔ اب میں اسرارِ معاملات بیان کرتا ہوں۔ اس کے حجابات منکشف کرتا ہوں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو کیونکہ وہی بہتر جاننے والا ہے اور اُسی کی توفیق سے سب کچھ ہے۔

چوتھے حجاب کا کشف اور طہارت کی نقاب کشائی: بعد از ایمان بندہ پر خصوصی فرض یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے طہارت حاصل کرے۔ اور وہ شریعت کے مطابق بدن کا نجاست اور جنابت سے پاک کرنا اور تین اعضا کو دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے۔ اور یا پھر پانی کے نہ پانے یا سخت بیماری کی صورت میں تیمم کرنا ہے۔ اور اُس کے احکام اپنی جگہ پر روشن ہیں۔

اقسامِ طہارت: جاننا چاہیئے کہ طہارت دو اقسام میں منقسم ہے:

پہلی قسم: طہارت کی پہلی قسم طہارتِ باطن ہے۔

دوسری قسم: طہارت کی دوسری قسم طہارتِ ظاہر ہے۔

چنانچہ جسم کی طہارت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور قلب کی طہارت کے بغیر معرفت صحیح نہیں ہوتی۔

پس جسم کی پاکی کے لیے آبِ حقیقی کی ضرورت ہے اور یہ ناپاک اور استعمال کیا ہوا پانی سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور دل کی طہارت کے لیے توحید خالص کا پانی ضروری ہے۔ اور یہ دل کی طہارت مخلوط اور پراگندہ اعتقاد سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ صوفیائے کرام دائماً ظاہری طہارت کے پابند رہتے ہیں اور اپنا باطن توحید سے مملو رکھتے ہیں۔

حضور سید عالم نورِ مجسم احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا:

دم علی الوضوء یحبك حافظك — تو دائمی طور پر وضو سے رہ تیرا محافظ تجھے محبوب رکھے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ جلّ مجدہ الکریم ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ۔ — اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تو جو ہمیشہ طہارت سے رہے تو ملائکہ اس سے محبّت کرتے ہیں اور جو باطن کو توحید پر قائم رکھے تو اللہ اُس سے محبّت کرتا ہے۔ حضور سید العالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ہمیشہ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ طَہِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ۔ — اے اللہ میرا قلب نفاق سے پاک رکھ۔

حالانکہ آپ کے قلب مبارک میں کسی حالت میں بھی نفاق نہیں تھا۔ لیکن اپنی کرامت کا دکھانا غیر ثبوت کا نفاق لاتا ہے۔ اور یہ توحید کا مقام نہیں۔ ایک نفاق ہے۔ باوجود مشائخ نے اپنی کرامات کے ایک ذرے کو بھی مریدین کی آنکھ کا سرمہ قرار دیا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ صورت محل کمال میں عظیم حجاب ہوتی ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اُس کا دیکھنا آفت ہے۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا فرمان عالی شان ہے:۔

نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین۔ — اہلِ معرفت کا نفاق مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے۔

جو کچھ مرید کا مقام ہوتا ہے وہ کامل کے لیے حجاب ہوتا ہے۔ مرید تو یہ قصد کرتا ہے کہ وہ کرامات حاصل کرے جب کامل یہ قصد کرتا ہے کہ وہ کرامت عطا کرنے والے معبودِ برحق کو حاصل کرے۔

الحاصل کلام:۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کرامات کا اثبات اولیاء اللہ کے لیے نفاق نظر آتا ہے کیونکہ یہ بجز حق کا دیکھنا ہے۔ اس لیے اللہ سبحانہٗ، تبارک و تعالیٰ سے محبت رکھنے والوں کی آفت یہ ہے کہ تمام گناہ گار گناہ سے نجات پا جائیں۔ اور گناہ گار کی آفت یہ ہے کہ تمام گمراہ لوگ اپنی گمراہی سے سرخرو ہو جائیں۔ کیونکہ جس طرح گناہ گار کو علم ہے اگر اسی طرح کفار کو بھی علم ہوتا کہ اُن کی معصیت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے تو وہ کفر سے سرخرو ہو جاتے۔ اور جس طرح اولیاء اللہ کو علم ہے اگر اسی طرح اہلِ معصیت کو یہ علم ہوتا کہ اُن کے تمام معاملات نقصان کا سبب ہیں تو وہ تمام گناہوں سے سرخرو ہو جاتے اور ہر قسم کی آفات سے پاک ہو جاتے۔ پس ظاہری طہارت باطنی طہارت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ کہ جب ہاتھ دھوئیں تو اس کے ساتھ دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرے۔ جب استنجا کریں تو جس طرح ظاہری نجاست سے پاکی حاصل کی ہو ویسے ہی باطن کو غیر کی محبت سے پاک کر لے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو اپنے اُوپر خواہشات کو حرام کرے۔ جب منہ دھوئے تو ساتھ ہی تمام خواہشاتِ نفسانی کی اشیاء سے منہ موڑ لے اور اللہ تعالیٰ کی جانب

متوجہ ہو۔ جب کہنیوں تک ہاتھ صاف کرے تو تمام نصیبوں سے الگ ہو جائے
اور جب سر کا مسح کرے تو اپنے تمام کام سپردِ الٰہی کرے۔ اور جب پاؤں دھوئے
تو منع کردہ راستے چلنے سے باز رہنے کی نیّت کرے۔ تاکہ اسی طرح اُسے دونوں
طہارتیں حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ شریعت کے تمام ظاہری معاملات باطن کے ساتھ
ملے ہوئے ہیں۔ جس طرح ایمان کے معاملہ میں زبان کا ظاہری قول دل کی تصدیق
کے ساتھ ملا ہوا ہے اسی طرح شرع مطہرہ میں اطاعت کے احکام جسم پر اور
دل کی نیّت کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

طریقۂ طہارتِ قلب:۔ پس قلب کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ دنیا
کی آفات میں تدبّر و تفکّر کرے۔ اور یہ دیکھ
کہ دنیا ایک بے وفا مقام اور فانی جگہ ہے۔ دل کو اس سے خالی کر لے۔ اور یہ چیز
مجاہدات کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اور سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ آداب ظاہریہ
کی محافظت کرے اور اس پر تمام احوال میں مداومت اختیار کرے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"میں اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ سے دنیا میں ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہوں
تاکہ تمام دنیا نعمتوں میں مشغول ہو کر جب اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھُلا
دے تو میں شریعت کے آداب بجا لاؤں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں
سرگرم رہوں۔"

حضرت ابو بکر طاہر خرمی کا آداب بجا لانا:۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر طاہر خرمی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چالیس برس تک مکّۂ معظمہ میں مجاور رہے اور اس عرصہ میں
بھی کبھی مکّۂ معظمہ کے اندر طہارت نہیں کی بلکہ طہارت کے لیے ہر دفعہ حرم کی حدود

سے باہر آجاتے اور فرماتے کہ جس زمین کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کی ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ طہارت میں استعمال کیا ہوا پانی یہاں گراؤں۔

ساٹھ مرتبہ غسل کرنا: حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ آپ رے کی جامع مسجد میں مرض اسہال سے بیمار ہوئے تو آپ نے شب و روز میں ساٹھ مرتبہ غسل فرمایا۔ اور اسی بیماری میں آپ دنیا سے کوچ فرما گئے۔ اور پانی ہی میں آپ کا وصال ہوا۔

عافیت کا راز: کہتے ہیں کہ حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عرصہ تک طہارت کے بارے میں وساوس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ سحری کے وقت میں دریا پر چلا گیا اور طلوعِ آفتاب تک وہیں رہا۔ اس حالت میں میرا دل سخت رنجیدہ ہو گیا اور میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

"اے اللہ! مجھے آرام و عافیت عطا فرما"

تو دریا سے ہاتفِ غیبی سے آواز آئی:

"عافیت تو علم میں ہے"

موت کی تیاری میں غسل کی کثرت: حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے روز سخت گرمی کے باوجود نماز کے لیے ساٹھ ساٹھ دفعہ طہارت کی اور آپ کا قول ہے کہ یہ اس لیے ہے تاکہ جس وقت بھی موت کے لیے پیغام آئے تو میں اس وقت طہارت سے ہوں۔

حضرتِ شبلی کی طہارت کا راز: منقول ہے کہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ ایک روز مسجد میں داخل ہونے کے قصد سے

وضو کیا تو ایک غیبی آواز آئی کہ تم نے ظاہر کو تو طہارت سے سجا لیا ہے باطن کی صفائی کہاں ہے؟ آپ فوراً لوٹ آئے اور تمام مال و میراث اللہ کی راہ میں بانٹ دیا اور ایک سال تک صرف اتنا ہی لباس اپنے جسم پر پہنا جس سے نماز درست ہو جائے اُس وقت آپ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

"وہ بہت ہی سود مند طہارت تھی جو تو نے کی۔ اللہ آپ کو ہمیشہ کے لیے باطہارت رکھے۔"

ازاں بعد آپ کبھی بے وضو نہ رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ کا وضو ساقط ہو گیا۔ اور آپ نے ایک مرید کی طرف اشارہ فرمایا کہ مجھے طہارت کرا دیجیئے۔ مرید نے آپ کا وضو کرایا لیکن داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کی اس حالت میں زبان بند ہو چکی تھی۔ تاہم آپ نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کے خلال کی طرف اشارہ کیا تو مرید نے آپ کی داڑھی کا خلال بھی کر دیا۔ آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

"میں نے کبھی کسی وقت بھی آداب وضو میں سے کسی ادب کو نہیں چھوڑا بجز اس کے کہ جب میرے قلب میں ذرّہ برابر غرور پیدا ہو گیا۔"

حضرت بایزید بسطامی کا فرمان:۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے:۔

"جب کبھی میرے دل پر دنیا کا خیال گزرتا ہے تو میں طہارت کرتا ہوں۔ اور جب عقبیٰ کا خیال گزرتا ہے تو میں غسل کرتا ہوں کیونکہ یہ دنیا نجس ہے اور اس کا اندیشہ حدث ہے۔ اور عقبیٰ محل غیبت و آرام

ہے اور اس کا اندیشہ جنابت ہے۔ تو حدث سے طہارت واجب ہے اور جنابت سے غسل واجب ہے۔"

طہارت شبلی میں اسرارِ عجوبہ:- حضرت ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کے بارے میں ایک روایت عجوبہ ہے کہ:-

"ایک دن آپ نے طہارت کی۔ جب مسجد کے دروازے پر تشریف لائے تو منادی نے ندا کی اے شبلی تیری وہ طہارت ہے جو ہمارے گھر میں گستاخ طہارت کر کے آتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ واپس لوٹے تو آواز آئی اے شبلی ہمارے دَر سے واپس جا کر کہاں جائے گا۔ یہ سُن کر آپ نے نعرہ بلند کیا تو آواز آئی ہم پر طعن و تشنیع کرتے ہو۔ یہ آواز سُن کر آپ بالکل خاموش رہے اُسی جگہ کھڑے ہو گئے تو ہاتفِ غیبی سے ندا آئی کیا ہماری آزمائشوں کو برداشت کرنے کا دعویٰ کر دیتے ہو، تو حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے عرض کیا تیرے حضور تحمل سے فریاد ہے۔"

صوفی بزرگوں کی تحقیق طہارت میں بکثرت اقوال ہیں اور وہ ہمیشہ ظاہری اور باطنی طہارت کا مریدین کو حکم دیتے رہتے ہیں۔ اور اللہ بجا ز، تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ پاک میں جانے کے قصد پر جب کوئی ارادہ کرے تو طہارت ظاہری پاکی کے لیے پانی سے ہوتی ہے اور باطنی طہارت توبہ اور بارگاہِ خداوندی میں رجوع کرنے سے عمل میں آتی ہے۔ اس کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے جس کی توفیق سے سب کچھ ہے۔ جس کا اللہ اُس کا سب کچھ ہے۔ جو اللہ سے بیگانہ ہوا وہ دنیا و آخرت سے بیگانہ ہُوا۔ اور عرفانِ حق معبودِ برحق کی یاد سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم کی کمال مہربانی سے عرفانِ حق تکمیل کو پہنچا۔ عرفانِ حق داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" جو عالم تصوف میں بے مثل وبے مثال اور لازوال کتاب ہے، سے تخریج کر کے تشریحی طور پر مزین کر کے قارئین کے پیش نظر ہے۔ ایسی ترتیب وتخریج کی رائے میرے پیر ومرشد قبلہ عالم اعجاز ہادی رسول شاہ خاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ ولی کامل تھے، جنہوں نے اپنی تمام عمر اشاعتِ اسلام اور تبلیغ دین میں گزار دی۔ آپ بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے، آپ ولایت کے ارفع واعلیٰ مقام تک رسائی ہونے کے باوجود بھی خود کو ناچیز خیال فرماتے تھے۔ آپ ہر وقت عجز وانکساری کے دامن میں لپٹے رہتے تھے۔ آپ ابتدائی دور جو چالیس سالہ تھا وہ عالمِ مجذوبیت میں گزرا۔ اور آپ نے تیس سالہ بلاناغہ شب وروز تلاوت قرآن کو شغل سمجھا۔ آپ کی ولادت باسعادت بھی معجزانہ تھی۔ آپ رمضان المبارک میں جلوہ گر ہوئے اور تمام رمضان دن کے وقت اپنی والدہ ماجدہ کی گود مبارک سے دودھ نہیں پیا۔ اور جب عید الفطر کا چاند نظر آیا تو پھر اپنی والدہ ماجدہ کی گود مبارک سے دودھ پیا۔ چند سال یہی عالم رہا کہ آپ رمضان المبارک کو روزہ دار ہوتے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک چودھویں کا چاند تھا۔ آپ کے رخِ انور کے سامنے چاند بھی ماند تھا۔ جو آپ کی بارگاہ پاک میں ایک دفعہ حاضر ہو جاتا وہ ایمان کی بارش سے سیراب ہو جاتا۔ بکثرت اصحاب نے آپ کے چہرہِ انور سے ضیاء پائی یعنی کامل ایمان حاصل کیا۔ آپ کے در اقدس پر شاہ وگدا ہمہ وقت بھیک مانگنے کے لیے حاضر رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت

خضر علیہ السلام بھی آپ کے درِ دولت پر حاضری دیتا تھا۔ آپ نے کثیر التعداد کتب اور رسائل چھپوا کر دین اسلام کی خدمت کی۔ جو آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو جاتا وہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو بھول جاتا اور انوار کی بارش سے سیراب ہو کر علم و عرفان کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹتا۔ آپ نے کبھی کسی کو بیگانہ سمجھا ہی نہ تھا۔ ہر طالب و مرید کو دامنِ رحمت میں لے کر سینے سے لگا لیتے تھے۔ جو ایک بار آغوشِ رحمت میں آجاتا اُس کا سینہ نورِ عرفان سے معمور ہو جاتا۔ آپ نے زیادہ وقت سیر و تفریح میں گزارا۔ آپ حضرت شاہ جیلانی قطبِ ربانی سیدنا سید شیخ عبد القادر جیلانی کی نسلِ پاک سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب قطب الاقطاب حضرت شاہ محمد غوث قادری جن کا مزار پر انوار دہلی دروازہ لاہور میں ہے، ملتا ہے۔ آپ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ ہمہ وقت حضور پُر نور شافع یوم النشور نبی غیب سید المرسلین شفیع المذنبین انیس الغریبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی زیارت سے مشرف رہتے تھے۔ میں کبھی آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتا اور کبھی آفتاب و ماہتاب کو دیکھتا مگر آفتاب آپ کے چہرۂ انور کے سامنے ماند تھا۔ ایسا رُخِ انور میں نے آج تک نہیں دیکھا اس کی کیفیت مولانا نور محمد صاحب دامت برکاتہم العالی ہی بتا سکتے ہیں۔ میں نے جو کچھ دیکھا کچھ منکشف کر دیا۔ آپ لفظ خاکی سے ملقب تھے۔ آپ نے ایک سال کی عمر شریف میں صابن سے غسل نہیں فرمایا جب بھی غسل فرمایا خاک سے غسل فرمایا۔ مگر واللہ آپ کے جسم اطہر سے کستوری و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ جب آپ احادیث کی کتب کا مطالعہ فرماتے تو ہر ایک قول روشن ہوتا تھا

جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مبارک نہیں ہوتا تھا وہ لفظ روشن نہیں ہوتے
آپ بادشاہوں کے بادشاہ تھے۔ آپ کے زمانہ اقدس میں ہمہ وقت لنگر جاری تھا
جو مراد لے کر آتا ویسی ہی جھولی بھر کر لے جاتا۔ آپ کا زمانہ سنہری دور تھا کہ
جو بھی آپ کے در دولت پر آتا منہ مانگی مراد پاتا۔ آپ نے جنگل کو منگل کر دیا
آپ نے بیابان کو چاندنی چوک بنا دیا۔ آپ مستوں کے بھی بادشاہ تھے۔ آپ
پر ہمہ وقت دونوں حالتیں رہتی تھیں۔ آپ ہمہ وقت سالک مجذوب اور مجذوب سالک
تھے۔ آپ ظاہر میں امیر تھے اور باطن میں فقیر تھے۔ آپ کا خزانہ ہر وقت
بھرا رہتا تھا۔ آپ کے فقر کی کیفیت مجھ جیسے ناہنجار کے بس سے باہر تھی۔
آپ اس حدیث کے عامل تھے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ

فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔

آپ کا فقر بے مثل و بے مثال تھا۔ جو آتا فی سبیل اللہ تقسیم ہو جاتا۔ جس کام کے لیے آتا
اُسی کام پر خرچ ہوتا۔ اگر زندگی نے مہلت دی تو ناچیز اپنے پیر و مرشد قبلہ عالم
اعجاز ہادی رسول شاہ خاکی رحمۃ اللہ علیہ پر ضخیم کتاب مرتب کروں گا کیونکہ آپ کا حسن
و جمال اور آپ کی استقامت و کرامت مجھ پر آئینہ کی طرح عیاں ہے۔ میں ہر روز اپنے
قبلہ عالم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ خدا گواہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

سُنّی تبلیغی نصاب
از
رئیس العلماء حضرت علامہ
قاضی غلام محمود ہزاروی علیہ الرحمۃ
اعلیٰ طباعت، عمدہ کتابت، بہترین کاغذ
مضبوط جلد سے مزیّن
حکایات صحابہ
فضائل تبلیغ
فضائل قرآن
فضائل نماز
فضائل رمضان
فضائل ذکر
فضائل درود شریف
نوری کتب خانہ۔ لاہور

روئیداد تاریخی مناظرہ بہاولپور

مابین

علماء اہل سنت و علماء دیوبند

تقدیس الوکیل

عن

توہین الرشید والخلیل

مولفہ و مرتبہ

حضرت مولانا ابو عبدالرحمٰن غلام دستگیر ہاشمی نقشبندی قصوری نوراللہ مرقدہ

نوری کتب خانہ

نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور